

نبیلہ ریحانہ

سلاسلِ عشق

منجھان پاول

صبح کے دس بج چکے تھے وہ بستر میں الٹی لیٹی کولڈ
لے کا viva la vida سن رہی تھی۔ رات
دیر تک ملائکہ سے فون پر گپیں مارنے کی وجہ سے
اسے نیند بھی کافی دیر سے آئی تھی۔ ابھی بھی وہ سوئی
رہتی اگر ماہ نور کی کال اسے نہ جگالی۔

باہر سے رمضان اور ساجدہ کی آوازیں آرہی
تھیں۔ رمضان اس گھر کا رانا ملازم تھا جبکہ ساجدہ کو
سائز بلیکم نے کچھ عرصہ پہلے ہی بلورچی خانے اور دیگر
کاموں کے لیے رکھا تھا۔

ساجدہ نے ڈرتے ڈرتے دستک دی کیونکہ چھوٹی
لی لی نرم کے پل میں تو کہ پل میں ماشہ موڑے اسے
لکھا تھا۔ اسے یاد نہیں تھا کہ نرم نے اس سے
نرمی سے بات کی ہو ہمیشہ اس کا لہجہ آگ پر
محسوس ہوتا۔ پتا نہیں کیوں ساجدہ سے اسے
واسطے کاہر تھا۔

”آجاؤ۔“ وہ سہمی ہو کر پیشی تھی۔

ساجدہ دروازہ کھول کر دو قدم آگے بڑھی۔
دیکھتے ہی نرم کے ماتھے پر بل بڑھ گئے۔

”کیا بات ہے؟“ وہ تھکے ہوئے لہجے میں پوچھا۔
 ”بی بی جی! صاحب جی کہہ رہے ہیں آپ کو جگا
 دوں وہ ناشتے پر انتظار کر رہے ہیں۔“ اس نے ڈرتے
 ڈرتے وضاحت کی تو نرم کے ماتھے کے بل کچھ کم
 ہوئے۔

”جاؤ“ میں آتی ہوں دس منٹ میں۔“ ساجدہ نے
 غنیمت سمجھتے ہوئے باہر کا رخ کیا۔
 نرم نے اٹھ کر جوتے پہنے اور واش روم میں آئی۔
 سامنے دیوار پر لگے آئینے میں اس کا چہرہ اور اس پر نرم
 جھکن بڑی واضح تھی۔ نہ جانے کیوں اسے بے بسی کا
 احساس ہوا۔

آئینے سے نگاہیں چڑا کر اس نے جلدی جلدی منہ
 ہاتھ دھویا، بکھرے بال دوچار ہاتھ مار کر سنوارے اور
 ڈانگنگ ہال کا رخ کیا۔ جہاں پیلا سا رنگین سمیت اس کا
 انتظار کر رہے تھے۔
 ”گڈ مارننگ پیلا!“ ساہو بیگم کو یکسر نظر انداز کرتے

ہوئے پیلا کے ساتھ والی چیر گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔
 ”نرم بیٹا! آپ کی مہمانی ادھر ہی ہیں شاید آپ
 نے دیکھا نہیں ہے۔“ تیمور ملک کے لہجے میں نہ
 محسوس کی جانے والی وارننگ سی تھی۔ وہ اندر تک
 جل کر رہ گئی مگر اوپر سہل سے ساہو کو بھی گڈ مارننگ
 کہنا ہی پڑا۔

وہ بے دلی سے ناشتہ کرنے لگی۔ تیمور ملک نے بغور
 اپنی بلاؤلی بیٹی کا یہ انداز نوٹ کیا۔
 ”یہ تو ناگاہی کا طوطا ساجدہ نے خاص طور پر بتایا
 ہے بہت مزے کا ہوتا ہے۔“ ساہو نے حلوے والا
 ڈونگہ اس کی طرف بوجھایا تو اس نے ان کی طرف دیکھے
 بغیر ڈونگہ لے لیا۔ تیمور بھی رغبت سے کھا رہے تھے۔
 ”تمہاری اسٹیڈیز کیسی جا رہی ہیں۔“
 ”ٹھیک ہی ہیں پیلا!“ اس نے نگاہیں اٹھا کر پیلا کو
 دیکھا تھا۔

وہ ایم پی اے کی اسٹوڈنٹ تھی اپنے پیلا کی لاڈلی۔
 اتفاق یا بد قسمتی سے ساہو سے شادی کے بعد ان کے

ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی سو نرم اگلی ہی
 اعزاز برقرار رکھے ہوئے تھی۔

ساہو اور تیمور فمد کی شادی کی تیاری
 کر رہے تھے۔ فمد ساہو بیگم کا اکلوتا بھائی تھا۔
 رشتہ انہوں نے بڑے چاؤ سے ڈاکٹر صاحب سے جوڑا
 پہلے ہی طے کیا تھا۔ اب شادی کی تیاریاں
 تیار کی گئی تھیں کہ کب کب کی تیاری کرتے ہیں۔
 وہ بھی تقریباً تیار ہیں۔
 ”نرم! آپ اپنے کپڑے وغیرہ رکھ لیں، ہم
 جانا ہے۔“ تیمور ناشتے سے فارغ ہو چکے تھے۔

”کیوں پیلا؟“ اس نے انجان بننے ہوئے پوچھا۔
 فمد کی شادی پر جانا ہے بیٹا!“
 ”میں نہیں جاؤں گی۔“ ایک عجیب سی ہنسی
 تھی اس کے لہجے میں۔ تیمور ٹھٹھک سے گئے۔
 ”کیوں؟“
 ”بس میرا موڈ نہیں ہے آپ جائیں۔“

کری وکیل کر کھڑی ہوئی اور اس پہلے کہ وہ
 کچھ پوچھتے وہ تیز چلتی باہر نکل گئی۔
 نگاہوں سے ساہو کی طرف دیکھا اور غور سے
 ہو گئے۔
 ”چلیں کوئی بات نہیں اس کا موڈ
 بات نہیں۔“ ساہو نے خود ہی کہہ کر اس کی
 شرمندگی سے بچایا۔

اسے ساہو بیگم کے میکے کے ہر شخص
 واسطے کا پیر تھا۔
 وہ سات سال کی تھی جب اس کی مہمانی
 ہوئی تھی۔ اسے زندگی کی تلخ حقیقتوں کا
 تھا، مگر اتنا ضرور تھا کہ اسے احساس ہو گیا تھا
 زندگی کسی بڑی کمی کا شکار ہو گئی ہے۔
 تماشا پیار کرتے تھے ماما کے جانے کے

سہارے میں زیادہ حساس ہو گئے تھے۔
 دو سونے رشتہ داروں نے بہت زور ڈالا کہ دوسری
 شادی کر دو، مگر وہ نہ مانے۔ عائشہ کے بعد ان کا دل
 ہنگاموں میں خالی ہو چکا تھا۔ نرم ان کی بھرپور محبت اور
 سہارے کے ماننے والے پر دل چڑھ رہی تھی۔

وہ بچہ بچہ کی تھی جب تیمور کی ملاقات ایک
 دوست کی شادی میں ساہو سے ہوئی۔ جان پہچان کے
 ابتدائی مراحل طے ہونے کے بعد کچھ بھی مشکل نہ
 رہا۔ عائشہ کے بعد ساہو دوسری عورت تھی جس نے
 ان کے دل کے تاروں کو چھیڑا تھا۔ یوں لگ رہا تھا وہ
 برسوں کے طویل خواب کے بعد جاگے ہوں۔

ساہو بیٹا کران کے بڑے سے گھر میں چلی آئیں جو
 شاید ان ہی کے انتظار میں تھا، مگر نرم کو پیلا کی دوسری
 شادی نے بہت بڑے صدمے سے دوچار کر دیا۔ اسے
 اب بھی یاد تھا کہ ساہو بیگم کے اس گھر میں آنے اور
 ماما کے بیدار ہو کر قبضہ کر لینے کے بعد وہ کتنے ہی دن بیمار
 رہی تھی۔ اتنی کہ پیلا بھی پریشان ہو گئے تھے اس کا
 غلام ہونے میں آئی نہیں رہا تھا۔

ساہو بیگم نے اس کی ماما کی ہر چیز پر قبضہ کر لیا تھا۔
 دو زواہل سے ہی نرم کے دل میں نفرت جز مضبوط
 کر چکی تھی۔ بعد میں ساہو نے کتنی کوشش کی اس
 کے قریب آنے کے لیے، مگر جواباً نرم کی ٹھنڈی سرد
 نگاہیں طنز و تائرات انہیں خود سے سینے میں مجبور
 کر دیتے۔ وہ انہیں قبول نہیں کر سکتی تھی۔ یہ ایک
 حقیقت تھی۔

اس کی طرف یہ چیز بھی روز روشن کی طرح عیاں
 تھی کہ تیمور ملک اپنی بیٹی کو نوٹ کر چاہتے ہیں۔
 جس روز ساہو پیلا کے ساتھ اس کی ماما کے گھر آئی
 تھی اس رات اس نے پیلا کو اپنے پاس سے اٹھنے ہی
 سے روک دیا تھا، اپنے سونے تک جب وہ گہری نیند میں
 گئی تو تب تیمور اس کے پاس سے اٹھے تھے۔

اسے والے دنوں میں ساہو کے خلاف اس کی
 نفرت بڑھتی گئی۔ وہ ساہو سے وابستہ ایک ایک شخص

سے نفرت کرتی تھی۔ پہلے وہ ایک دو فنکشن میں پیلا کی
 سنتوں کے بعد ساہو کے ساتھ ان کے خاندان میں منہ
 ہٹا کے چلی گئی تھی، مگر تین سال پہلے جب ساہو کی کرنل
 کی شادی تھی تو تب اس نے ایسی کسی بھی تقریب میں
 نہ جانے کا اعلیٰ فیصلہ کیا تھا۔ تب پیلا ایک کاروباری
 دورے پر کراچی میں تھے اور عین شادی کے دن وہ وہیں
 سے سیدھے ساہو کی کرنل کے گھر پہنچے تھے۔ یہاں
 آکے انہیں نرم کے نہ آنے کا پتا چلا تھا۔

ادھر وہ پھوپھو کے گھر میں چلی گئی تھی۔ نوکروں کے
 ساتھ اکیلے گھر میں رہنا بھی مشکل تھا پیلا نے واپس
 آکے اسے کہا تو کچھ نہیں سمجھا اس کے اس رویے سے
 پریشان سے تھے۔ تب نرم نے اپنی سب سے عزیز
 فریڈ لانا کے سے اس بارے میں بات کی اور کھل کے
 اپنی نفرت کا اظہار کیا۔ ساہو بیگم کا تو نام ہی اس نے
 جزیل رکھا ہوا تھا۔



ڈیک خوب اونچی آواز میں چل رہا تھا۔ کھانے پینے
 کے ساتھ ساتھ گپ شپ کا بھی دور چل رہا تھا۔ تینوں
 لانا کے گھر میں جمع تھیں۔ وہ ہنستے پندروں میں مل
 بیٹھنے کا موقع نکال ہی لیتی تھی۔ کل بھی وہ مسلسل

خواتین ڈائجسٹ

کی طرف سے بہنوں کے لیے ایک اور ناول

قیمت --- 450/- روپے

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

37- اردو بازار، کراچی۔

بودیت کا رونا رو رہی تھی۔ اس کی کل آنکھیں تو نرم نہایت
کو بتائے بغیر ڈرائیور کے ساتھ اس کے گھر چلی آئی۔
پھر ماہ نور اور ثانیہ بھی آگئیں تو خوب محفل جمی۔
"کافے از سو بورنگ یار!" ماہ نور نے منہ بگاڑ کر
ایک نئی وی اشتہار کی نقل اتاری تو ملائکہ نے ہاتھ میں
پکڑا کٹن دور بیٹھے بیٹھے ہی اس کی طرف پھینکا جو کمال
سمارت سے اس نے کچل کر لیا۔
"کچھ نیا ہونا چاہیے لائف میں۔" یہ ثانیہ تھی۔
"یار! تم بھی تو کچھ بولو جب سے آنی ہو عجیب سی
شکل بنائی ہوئی ہے۔" ملائکہ نے نرم کو غمو کا دیا جو
اس کے ساتھ بیٹھی ہوئی اپنی ہی سوچوں میں گم تھی ان
سب سے الگ تھلگ۔
"بس یار! عجیب سی ٹینشن ہے۔" سائہ بیگم کے
ساتھ شادی پہ جارہے ہیں۔ "اس نے منہ تار تار کیا۔"
"تو اس میں اتنا داس ہونے کی کیا بات ہے؟"
"میں نہیں جا رہی ان کے ساتھ۔"
"نہ جاؤ۔" ملائکہ نے نیازی سے بولی۔
"اسٹوڈنٹ! پھوپھو کے گھر جانے کا میرا سوڈ نہیں
ہے۔"
"تو میری طرف آ جاؤ" میں بھی بہت بور ہو رہی
ہوں لائف میں کوئی تھل کوئی ایڈوینچر نہیں ہے۔ تم
آؤ تو کچھ پلان کرتے ہیں۔"
"اوکے اوکے۔ میں پیلا سے بات کرتی ہوں کہ وہ
سائہ بیگم کے ساتھ تشریف لے جائیں میں تمہاری
طرف آ جاؤں گی۔" سائہ کے نام پہ خود بہ خود ہی اس
کے لہجے میں نفرت در آئی تھی۔
ساری فرینڈز کو اس کی نفرت کا پتا تھا، ماہ نور تو چپ
رہتی تھی، مگر ملائکہ اور ثانیہ بھرے کٹی رہتی
تھیں جس کی وجہ سے اس کے دل میں دبے دبے نفرت
کے شعلوں کو ہوا ملتی رہتی۔
بہت ٹائم ہو گیا تھا۔ نرم آنے کا وعدہ کر کے گھر
لوٹ آئی۔ پیلا کی گاڑی ڈرائیور سے میں کھڑی تھی جو
اس بات کا ثبوت تھا کہ وہ گھر میں موجود ہیں۔ وہ آہستہ

آہستہ کمرے میں آئی جہاں پیلا پہلے سے ہی موجود تھا
اسی کا انتظار کر رہے تھے۔
ایک لمحہ کے لیے وہ پریشان سی ہوئی۔
سنبھل لیا۔
"نرم! آپ اپنی ماما کو بتا کر کیوں نہیں آتی؟"
تیسرے کالج بہت لہجہ تھا۔
"میں انہیں بلانا ضروری نہیں سمجھتی۔"
"چناں۔" کئی آواز ابھری۔ زندگی میں پہلی بار
کاماتہ بیٹی پہ اٹھا تھا۔
وہ کتنے سال سے یہ سب برداشت کر رہے تھے
آج ان کے ضبط کا بندھن ٹوٹ گیا تب ہی ان
نرم پہ اٹھا اور کال پہ نشان بھجوا دیا۔
"وہ ماما ہیں تمہاری اور تم اب چھوٹی نہیں
بی اے کی اسٹوڈنٹ ہو، یہ بہت دھڑکی ہے۔"
اور ہاں اپنی تیاری کر لو شادی۔ جانے کے لیے
"میں نہیں جاؤں گی۔" غصے اور دکھ کی شدت
بلو جود بول پڑی۔
تیسرے ملک چند منٹ اس کے باغی آثار
رہے اور پھر کمرے سے نکل گئے۔ آج ان
بے پناہ کمزور ہونے کا احساس ہوا تھا۔
نرم لن کی لاڈلی اولاد تھی سائہ سے شادی
اس نے تیسرے ملک کو بھی نظر انداز کرنا شروع کر دیا
سائہ جیسی سمجھ دار شریک حیات کا ساتھ نہ ہونا
جانے کیا کرتے پھر جس طرح آج دیتا ہے
کی طرف گئی اس کا انہیں شدید رنج تھا۔
مار کر اب وہ خود بھی رنجیدہ تھے۔ دن پہ
مسلسل گھونے برسا رہا تھا۔
نرم کمرہ بند کر کے روٹی رکھ کر آج پیلا نے
مارا تھا اسے یاد نہیں پڑتا تھا کہ کبھی اسے
چھڑی سے بھی چھوایا گیا ہو اور آج پیلا نے
دردی سے اسے پھیر مارا۔ اسے پورا یقین
منانے آئیں گے، مگر ساری رات گزر گئی
آہستہ

اسے پورا یقین تھا، یہ سب آیا دھر اس چڑیل ڈائن
میں بیٹھ گئے جس کے اشاروں پہ پیلا کٹھ پکلی کی طرح
چل رہے تھے۔
پیلے اس کے پیلا کو چھینا پھر اس کی ماما کے گھر۔
بچہ آیا اور اب پیلا تو اس پہ ہاتھ اٹھانے پہ مجبور کر دیا۔
بڑا بڑا اس کا پیلا ایسے نہیں تھے۔
"ہاں! کان اب مجھے چھوڑ کر نہ جاتیں تو پیلا! مجھے
یوں نہ مارتے۔" وہ بچوں کی طرح رو رہی تھی۔

صبح تیسرے ملک کے ٹکٹ سے پہلے ہی نرم نے پھوپھو
کو فون کر دیا۔ ساری کہانی وہ انہیں سنا چکی تھی سو وہ
اسے لینے آ پہنچیں۔ اب تیسرے ملک کے پاس پکڑ کھینے کی
گنجائش نہیں رہی تھی، خواجخواہ غصہ کر کے وہ بات
پوچھنا نہیں چاہتے تھے۔ جاتے وقت انہوں نے نرم کو
پارے کٹے لگایا، جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ نرم کے دل
پر کچھ ہوا۔

"اگر ساتھ چلتیں تو اچھا تھا، مجھے پریشانی نہ ہوتی۔
خیر تمہاری مرضی ہے جیسے خوش رہو۔" وہ آہستہ سے
لے گئے اور ایک بار پھر اسے سینے سے لگا لیا۔

سائہ نے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرنا چاہا تو وہ نامحسوس
انڈاز میں پیچھے ہٹ گئی۔ سائہ نے ایک بار پھر اس کی
پچھائی کو پوری شدت سے محسوس کیا تھا۔

البتہ ثروت کو کچھ اطمینان سا تھا کیونکہ بھائی کی
تیسری شادی کو انہوں نے بھی پسند نہیں کیا تھا، پھر
نرم کا رویہ بھی سائے تھا۔

سائہ سائہ بیگم اور پیلا کے جانے کے بعد اس کا دل جیسے
مٹا خالی سا ہو گیا تھا۔ پیلا پہلے بھی جاتے رہتے تھے، مگر
ان جانے کیوں دل بچھ سا گیا تھا۔ ثروت اس کے
دھڑکنے میں نہیں کہ کب وہ تیار ہوتی ہے، مگر اس نے
پورا ہی سوچ لیا تھا۔

"پھوپھو! میں ملائکہ کے پاس رکوں گی میں نے
کئی کوفون کر کے کہہ دیا ہے، آپ جانا چاہیں تو جا سکتی
ہیں۔" ثروت حیرت سے اس بل بل رنگ بدلتی لڑکی کو

دیکھتی رہ گئیں۔
"ہو نہ! مجھے کیا ہے شک دوست کے پاس رہے
انہا اچھا برا خود سوچ سکتی ہے۔" وہ بیگم میں پڑے
رکھتی نرم کو بغور دیکھ رہی تھیں۔

دل میں اس کے خلاف غصہ بھرتا جا رہا تھا۔ بھائی
اور بھائی کو تو یہ اطمینان تھا کہ وہ پھوپھو کے گھر سے گھر
لاڈلی بیٹی دوست کے گھر رکنے کا فیصلہ کر چکی تھی۔ ان
کے خاندان میں بیٹیوں کو اس حد تک آزادی دینے کا
رد انہیں نہیں تھا۔

نرم کو بھی احساس تھا کہ اس نے پھوپھو کو ناراض
کر دیا ہے، سو اس نے اپنا رویہ نرم کر لیا۔

"پھوپھو! میری نہ کوئی بہن ہے نہ بھائی، اکیلے گھر
میں بات کرنے کو بھی ترس جاتی ہوں، ملائکہ بہت
اچھی ہے، اگر میری کوئی بہن ہوتی تو بالکل ملائکہ جیسی
ہوتی۔ سچ پھوپھو! اس کی فیملی بہت اچھی ہے، ایک دو
دن اس کی طرف رک جاتی ہوں، پھر آتا تو آپ کی
طرف ہی ہے۔" اس کی آخری بات پہ ثروت بالکل
سوم ہو گئیں۔

"چلو ٹھیک ہے۔ میں بھی تمہارے ساتھ چلتی
ہوں، پھر گھر جاؤں گی۔" ثروت ملن گئی تھیں، نرم نے
بشکل اپنی خوشی چھپائی۔

ملائکہ گھر میں آئی تھی اس کی ماما ایک این جی او
کی مداح رواں تھیں اور ایک میٹنگ میں شریک
تھیں۔ سو ثروت کی ملاقات ان سے نہ ہو سکی۔ وہ گھر
کو دیکھ کر مرعوب سی تھیں اب انہیں نرم کے یہاں
رکنے کوئی اعتراض نہیں تھا۔

ادھر ملائکہ بہت خوش تھی۔ اس نے بیٹھے بیٹھے
کئی پروگرام بھی بنا ڈالے تھے۔ اسی وقت ماہ نور اور
ثانیہ کو بھی فون کر کے بلالیا گیا۔ اب وہ بھی اور ایک
طوفان بد تمیزی تھا۔ ثانیہ بتا رہی تھی کہ آج مارکیٹ
میں شاپنگ کرتے ہوئے ایک لڑکے نے اس کا
موبائل چھیننے کی کوشش کی، مگر اس کے شور مچانے اور

لوگوں کی بروقت مداخلت کی وجہ سے پھر بھاگ گیا۔
 ملائکہ پوری دلچسپی سے سن رہی تھی۔
 ”واہ یار ایک آئیڈیا آیا ہے۔“ ثانیہ خاموش ہوئی تو
 وہ پر جوش انداز میں بولی۔ ثانیہ نے اسے گھور کر دیکھا۔
 ”کیسا آئیڈیا؟“ نرم اور ماہ نور نے حیرت سے اسے
 دیکھا۔
 ”اصل میں موبائل چھین کر بھاگنا بھی ایک طرح
 کا فن ہے۔“ اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔
 ”یہ فن نہیں ہے، یہ ایک جرم ہے۔“ ماہ نور بول
 اٹھی۔
 ”دیکھو وہ لڑکا اپنی ضرورت کا مارا ہوگا، تب ہی اس
 نے بھری مارکیٹ میں یہ حرکت کی اگر میں یہ کام کرلی
 ہوں تو اس کا مطلب ہے کہ میں صرف انجوائے منٹ
 کے لیے یہ سب کر رہی ہوں، جسٹ فن یار۔ میں
 بہت بور ہو رہی ہوں۔“
 ”تو پھر؟“ ثانیہ نہ سمجھ آئے والے انداز میں اسے
 دیکھ رہی تھی۔
 ”میں نے بھی پلان کیا ہے کہ کوئی چھوٹا موٹا
 ایڈونچر ہونا چاہیے۔“
 ”کیسا ایڈونچر جس قسم کا؟“ اب وہ تینوں اسے دیکھ
 رہی تھیں۔
 ”ہم بھی کسی کو کڈھپ کریں گے۔“ اس نے
 دھماکہ کیا۔
 اگرچہ ثانیہ اور ماہ نور اس کے تاثرات سے پوری
 طرح کسی غیر متوقع ہاں کا اندازہ لگا چکی تھیں مگر وہ یہ
 کہہ گی کہ ان کے وہم و گمان میں نہیں تھا۔
 ”تم ہوش میں ہو۔“ ماہ نور جھٹکے سے اٹھ کھڑی
 ہوئی۔
 ”مائی ڈیر! میں ہوش میں ہوں، تب ہی کہہ رہی
 ہوں، جسٹ فار انجوائے منٹ یار! تم میں ابھی تک
 رانی لڑکیوں کی مدح گھس کر بیٹھی ہوئی ہے۔ یار! ہم
 گون سا جرم کر رہے ہیں۔ ہم تھوڑی دیر کے لیے کسی
 کو پکڑ کر لائیں گے، پھر چند گھنٹے بعد چھوڑ دیں گے۔“
 ملائکہ بول بول رہی تھی جیسے کوئی پکنک کا پروگرام

سیٹ کر رہی ہو۔
 ”یہ بہت خطرناک کام ہے۔“ ماہ نور نے سہمے
 پہلے زبان کھولی۔
 ”نہیں یار! کوئی خطرناک کام نہیں ہے۔ ہم
 کر کے کریں گے، دیکھنا کتنا مزہ آئے گا، بونٹ کا
 خاتمہ ہوگا۔“ ملائکہ نے چٹکی بجائی۔
 ”تم لوگ فکر نہ کرو۔ سارا رستہ میں لوں گی
 ہماری انگلی خالی ہے، بس ادھر ہی رکھیں گے جس
 کڈھپ کریں گے۔“ وہ انہی لاپرواہی سے کہہ رہی
 تھی۔
 اب وہ تینوں بھی اسے کچھ کچھ متفق ہو گئی تھیں۔
 ملائکہ کا ارادہ تھا اپنے فریڈ ارمان کو بھی اس منصوبے
 میں شریک کرے گی مگر ثانیہ سمیت ان دونوں نے
 بھی اس کی بھرپور مخالفت کی تھی۔
 بنا ہیں کیا بات تھی۔ نرم کو تو اس کا فریڈ ایک
 آنکھ نہیں بھاتا تھا۔ ماہ نور کا تو تین سال پہلے ہی
 کزن سے نکاح ہو چکا تھا، جبکہ ثانیہ بھی انکے
 ملائکہ بھی ارمان میں انٹرنلڈ تھی، صرف نرم ہی
 تھی۔ رشتے تو اس کے بھی آ رہے تھے مگر یہ وہ
 تک کوئی بھی دل سے نہیں بھلایا تھا، پھر نرم کی
 بھی مکمل نہیں ہوئی تھی۔ اس لیے اس معاملے میں
 خاموش ہی تھے۔
 ارمان بمانے بمانے سے ان کے ذہن پارٹنر
 آتا جا رہا تھا۔
 کہنے کو تو وہ ملائکہ کا خاص اچھا دوست تھا مگر
 کی نظریں جس طرح نرم کا طواف کرتی تھیں
 ہی اندر جزیر ہو جاتی تھی۔ بے لے بالوں والا
 اسے بالکل پسند نہیں تھا، جانے ملائکہ کیا دیکھ کر
 تھی۔

میں حال ثانیہ اور ماہ نور کا بھی تھا۔ ملائکہ نے ایڈونچر
 اور فن کے نام پر لمبی چوڑی تقریر کی تھی، ان کے جو
 رہے سے اعتراض تھے وہ بھی ختم ہو گئے تھے۔
 ملائکہ نے پورا پروگرام سیٹ کر لیا تھا، پانچ سال
 ان کے بید روم میں سائیڈ ٹیبل کی دراز میں رہتا تھا۔
 اسے پانا بھی آتا تھا اور اس میں گولیاں بھی موجود
 تھیں وہ اپنے ہی چیک کر کے دیکھ چکی تھی۔ وہ پوری
 طرح تیار تھی۔
 نرم کو ملائکہ کے بید روم میں کافی دیر کے بعد فریڈ
 آئی تھی، کیونکہ اجنبی بستر تھا۔ کمرے میں بدل بدل کے
 بے حال ہوتی وہ جانے کب سوئی۔ ملائکہ کمرے پر
 کھڑی سیل فون پر ارمان سے بات کر رہی تھی۔ گلاس
 ڈور سے وہ کتنی بار اندر دیکھ چکی تھی، جب نرم سو گئی تو
 اسے اطمینان سا ہوا۔ اس نے ارمان کو بھی اپنے
 منصوبے کے بارے میں آگاہ کر دیا۔
 اگرچہ وہ تینوں اسے منع کر چکی تھیں کہ ارمان کو نہ
 بتانا، مگر ارمان کو بتائے بغیر اس کا کھانا کہاں ہضم ہوتا
 تھا۔
 ”دندرن فل آئیڈیا ملائکہ!“ ارمان کے لمبے سے
 بول لگ رہا تھا کہ جیسے اسے اپنی خوشی سنبھالنی محال
 ہو۔
 ”میں تمہیں بتاؤں گا کہ کس کو کڈھپ کرنا ہے۔“
 اس کا لہجہ معنی خیز تھا۔ نہ جانے کیوں ملائکہ کو اچھا
 نہیں لگا اس کا یوں دلچسپی لینا۔ وہ برہہ برہہ کے بول رہا
 تھا مشورے دے رہا تھا۔
 ”چپ چپ سی تھی اس کے استفسار پہ ہوں ہیں
 کہتی رہی۔“
 سیرانی دے کی اس ذیلی سڑک پر سلیمان کی گاڑی
 چلتے چلتے اچانک ایک جھٹکالے کر لہرائی اور مزید کچھ
 لگے جا کر رگ گئی۔ وہ دروازہ کھول کر اتر آیا۔ بونٹ
 اٹھ کر وہ پرنوں سے چھیڑ چھاڑ کرتا رہا، مگر گاڑی

اشارت نہ ہوئی۔ اسے اس شرم میں آنے پانچواں روز
 تھا۔
 کسی سے اتنی خاص واقفیت نہیں تھی، سوائے ولید
 درانی کے۔ اور وہ اسی سے ملنے جا رہا تھا کہ گاڑی
 خراب ہو گئی۔ اس سڑک پر اتنا رش نہیں ہوتا تھا، سو
 بہت کم گاڑیاں گزر رہی تھیں اور جو گزر رہی تھیں ان
 میں بیٹھے افراد نے ایک لمحے کے لیے بھی رک کر اس
 سے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں گوارا نہیں کی تھی۔
 سلیمان نے گاڑی کا دروازہ لاک کیا اور بال خواستہ سیل
 نکالا اور ولید کو کال کرنے کا ارادہ کیا۔ عین اسی وقت وہ
 گاڑی آگے جاتے دوبارہ پیچھے مڑی اور پھر اس کے
 بالکل قریب رکی۔
 سلیمان نے سیل جیب میں ڈال لیا ڈرائیونگ سیٹ
 پر ارجن اس طرح دار سی حسینہ نے شیشے نیچے اتارا۔
 ”آپ کو لفٹ چاہیے؟“ کوئی اور وقت ہوتا تو وہ
 انکار کرتا، مگر اس وقت شام کے سائے کب کے
 ڈھل چکے تھے اور خنکی میں اضافہ بھی ہو گیا تھا، پھر نہ
 جانے کتنی دیر اسے اور پیدل مارچ کرنا پڑے۔
 کسی میسجنگ یا ولید کا یہاں آنا بھی ضروری تھا،
 تاکہ گاڑی کو باندھ کر گیراج لے جایا جاسکے۔ سو اس
 نے لفٹ کی آفر قبول کرلی۔ اس لڑکی نے اس کے
 چہرے پر رضامندی کا اشارہ پاتے ہی ڈرائیونگ سیٹ
 کے ساتھ والا دروازہ کھول دیا۔
 بیٹھنے کے بعد سلیمان نے دیکھا، پیچھے سیٹ پر تین
 اور لڑکیں بھی بیٹھی ہیں۔ اس نے اچھٹی سی نگاہ ڈالی۔
 ادھر اس کے بیٹھنے ہی خاموشی چھا گئی تھی۔
 ”لگتا ہے آپ یہاں نہیں رہتے؟“
 ”جی ہاں۔ آپ کا اندازہ بالکل درست ہے، میں
 دوست کی طرف جا رہا تھا کہ میری گاڑی خراب ہو گئی،
 خرابی میری سمجھ میں نہیں آئی تو میں لاک کر کے چل
 پڑا۔“
 ”جس جگہ آپ کی گاڑی خراب ہوئی، ادھر ٹرنک
 اتنی نہیں ہوتی، پھر حالات کی وجہ سے لفٹ بھی نہیں
 ملتی۔“ اس کے ساتھ بیٹھی لڑکی نے تفصیل سے بتایا۔

”آپ کو کہاں جانا ہے؟“ گاڑی میں چھائی خاموشی کو اس حسینہ کی آواز نے توڑا۔

باقی تین لڑکیوں نے ابھی تک زبان نہیں کھولی تھی۔

ایک کچی سڑک پہ گاڑی رُک گئی۔ سڑک کے دونوں اطراف درخت تھے۔

”آپ ذرا نیچے اتریں۔“ ذرا دور کے لیے اس کا دل چاہا کہ وہ یہ بات نہ ملنے۔ کچھ سوچ کر چپ چاپ اس کی ہدایات پر عمل کیا۔

”اب دونوں بازو اوپر اٹھاؤ زیادہ اسارٹ بننے کی کوشش نہیں مٹکی پڑے گی۔ پیچھے بیٹھو تم اور ثانیہ! تم آگے آؤ ڈرائیونگ تم کرو گی میں پیچھے بیٹھوں گی۔“ اس حسینہ نے باری باری سلیمان اور ثانیہ سے کہا۔

اس کے ہاتھ میں جدید طرز کا مسلک ریو اور تھا جو اس نے مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا۔ صاف پتا چل رہا تھا کہ یہ ریو اور اس کے زیادہ استعمال میں نہیں ہے پھر اندرونی جہان اور اضطراب کی وجہ سے اس کے پورے وجود پہ لرزش طاری تھی۔ سلیمان پہ ہن و عن عمل کرنے پہ تجسس غالب آگیا تھا ورنہ فطری طور پر وہ بے خوف اور بے ڈر تھا۔

”چلو اس کی آنکھوں پہ ٹی باندھو۔“ پستول بردار حسینہ نے سلیمان کے ساتھ بیٹھنے کی دوسری لڑکی کو حکم دیا۔

لڑکی دھلن بان اور نازک سی تھی، لڑرتے ہاتھوں سے موٹا کپڑا اس کی آنکھوں پہ باندھ دیا۔ اس کے ہاتھوں کی ایک ایک حرکت ظاہر کر رہی تھی کہ اس کلام میں اسے کافی مشکل پیش آرہی ہے۔

پچیس منٹ کی ڈرائیونگ کے بعد گاڑی رُک گئی۔ گیت کھولنے کی تواز آئی پھر گاڑی دوبارہ حرکت میں آئی۔

”میں تمہاری آنکھوں پہ سے ٹی ہٹا رہی ہوں، لیکن جلدی قدم بڑھاؤ۔“ ساتھ ہی ملائکہ نے ثانیہ کو ٹی کھولنے کا اشارہ کیا۔

اس نے جلدی جلدی کھولی تب ملائکہ نے سلیمان کو شوکا دیتے ہوئے آگے چلنے کا اشارہ کیا۔ ان کے پیچھے وہ چاروں تھیں۔ اسے اپنی کسی بات سے یاد نہ تھی۔

”نہیم! جاؤ میرے بندے روم سے رتی نے آؤ۔“ نے کل بندے کے نیچے رکھی تھی۔ ”تب سلیمان کو روم میں سے ایک لڑکی کا نام پتا چلا اور اس نے یادداشت میں محفوظ کر لیا۔

نہیم رسی لے کر واپس آئی تو سلیمان نے اسے روم سے دیکھا پانچ منٹ بعد وہ پوری طرح بے بس تھا۔ ملائکہ اب پوری طرح پر سکون ہو چکی تھی۔

ماہ نور اور ثانیہ جا چکی تھیں۔

”میں تو اب نہیں آؤں گی نہ اس اندوخی میں حصہ لینے کا ارادہ ہے۔“ ماہ نور نے ثانیہ کو گھر جا کر اپنے فیصلے سے آگاہ کیا تو اس کی نگاہوں میں چمک سی آگئی۔ اتفاق سے وہ بھی یہی سوچ رہی تھی کہ ”ملائکہ کچھ کہے گی نہیں؟“ اس نے کہا۔

”نہیں اور یہ سب نہیں کر سکتی، ذرا سوچو اگر ہمارے گھر والوں کو خبر ہو گئی تو کیا ہو گا؟ یہ چھوٹی سی بات ہے ہماری پوری لائف ڈسٹرب ہو جائے گی۔“ مرضی ہے میں تو کل مری جا رہی ہوں کڑی ساتھ۔“ اس کا ارادہ اٹل تھا۔ ساتھ ہی ثانیہ کو حوصلہ مل چکا تھا۔

”ماہ نور! میں تمہارے ساتھ ہوں، ماما سے ہوں کہ آپ کی طرف جانا ہے مجھے کوئی مسئلہ نہیں۔“

”میں خود بہت پریشان ہوں۔ ملائکہ کو تو آرام سے سب کچھ کر لیا۔ ریو اور کو بھی سے پکڑا ہوا تھا۔ مجھے تو نہیم کی فکر ہے، ابھی ابھی اوپر نہیں ہیں، میں سمجھاؤں گی تو وہ نہیں۔“ ماہ نور کو اب نہیم کی طرف سے پریشانی

ہم ٹھیک کہہ رہی ہو نہیم حد سے زیادہ بیوقوف ہے۔ مجھے ملائکہ کا بھی بھروسہ نہیں، اگر اس نے لیڈن کو بھی بتا دیا تو پھر یہ ایڈوینچر نہیں رہے گا، کچھ اور بن جائے گا۔“

”نہیم! میں نہ ہم انکل کو سب بتا دیں یا پھر ملائکہ کی ماما کو۔“ دونوں آرتے ہیں۔ ”ثانیہ کے لہجے میں ٹکر مندی

”اے نہیں میں تو یہ نہیں کروں گی۔“ ماہ نور صاف دامن بچا گئی۔ کیونکہ اس صورت میں ملائکہ ان کو بھی تحریک دیتی پھر آگے جو ہوتا تو اس کا تصور ہی اس کے لیے محال تھا۔

سو بہتر یہی تھا کہ خاموشی سے اس معاملے سے الگ ہو جائے۔



سلیمان ابھی تک کسی نتیجے پر نہیں پہنچ پایا تھا کہ اسے کیوں یہاں لایا گیا ہے۔ ابھی تک پستول بردار حسینہ نے کچھ نہیں بتایا تھا۔ صرف وہ دونوں تھے۔ سلیمان آنکھیں بند ہونے کے باوجود اس کی نگاہوں کے ارتکاز کو محسوس کر چکا تھا۔ احساس ہوتے ہی دلی بلایا مسکراہٹ اس کے لبوں پر آگئی۔

اپنے لباس اور رکھ رکھاؤ سے بھی وہ بہت شائستہ اور اچھے خاندان کا نظر آ رہا تھا، پیروں میں قیمتی جوتے، کلائی پہ بندھی ریشم داڑی اور بیٹھنے کا انداز کسی طور بھی عام سا نہیں تھا۔ اور سب سے حیرت انگیز بات یہ تھی کہ ابھی تک وہ خوفزدہ نہیں ہوا تھا۔ مگر ملائکہ کی نقل و حرکت میں یہ بات نہیں ماسکی تھی۔

نہیم کھانا لے کر آئی تھی۔ اس صورت حال میں کس کو تھی، مگر چند نوالے سلیمان نے ضرور کھائے۔

”اب رات کو کیا ہو گا؟“ ملائکہ پہلی بار پریشان نظر لگی۔ نہیم سے بات کرنا ہی فضول تھا، وہ کب سے سوچ رہی تھی کہ نہ بولتی تھی نہ مشورہ دیتی تھی۔ ایسے میں ملائکہ کو پھر ارمان کا خیال آیا۔

دو پریشان ہو رہی تھیں کہ خود ہی اس کی کال آگئی۔ ”نہیم! مجھ سے گھر پہ ملنے آ سکتے ہو؟“ وہ سلام دعا کے بغیر جلدی جلدی بول رہی تھی۔

”ہاں ابھی۔“
”کیوں کیا بات ہے؟“
”میں بہت پریشان ہوں۔“
”کیوں؟“

”ارمان! میں نے ایک بندے کو کڈ فیپ کر لیا ہے۔“ اسے اب نہیم کا خیال بھی نہیں رہا تھا، جس نے کہا تھا کہ ارمان کو نہ بتانا۔

سلیمان پورے جی جان سے اب ملائکہ کی طرف متوجہ تھا۔

”کیا کہہ رہے ہو؟ تاوان؟“ ملائکہ تقریباً ”جی“ ہی پڑی اور پھر بات کرتے کرتے کمرے سے ہی نکل گئی۔ نہیم ہڑبڑا کر اپنے خیالوں سے باہر آئی۔ کھانے کی ٹرے ابھی تک وہیں پڑی تھی۔ کھانے کے وقت سلیمان کے ہاتھ کھول دیے گئے تھے جو ابھی تک کھلے ہوئے تھے۔ ارمان سے بات کرتے ہوئے ملائکہ کو اس بات کا دھیان ہی نہیں رہا۔

نامحسوس انداز میں سلیمان نے اس لاپرواہی کا فائدہ اٹھایا۔ اور با آسانی پاؤں آزاد کر لیے۔ اب صرف نہیم تھی، جبکہ ماسٹرمانڈ باہر تھی۔ سلیمان اب اور تاخیر نہیں کر سکتا تھا۔ رسی الگ کر کے جو نہی کھڑا ہوا نہیم کے لبوں سے بے ساختہ چیخ نکلی، اس سے پہلے کہ وہ سب کو متوجہ کر دے، سلیمان اس تک پہنچ چکا تھا۔ اپنا مضبوط ہاتھ اس نے جو نہی نہیم کے لبوں پر رکھا وہ دہری ہو گئی۔

خوف کی شدت سے وہ اپنے حواسوں میں نہیں رہی تھی۔ سلیمان اسے چھوڑ کر محاط قدموں سے باہر نکلا تو عین اسی وقت لائٹ چلی گئی۔ یہ ایک اور مصیبت تھی۔ بجائے قدموں کی آواز اسی طرف آرہی تھی۔ وہ دیوار پہ چڑھا اور چند ہی لمحوں میں وہاں پہنچا۔ اندھیرے کے باوجود گھروں کے سائے واضح تھے

اور اندازہ ہو رہا تھا یہاں کے تین متول طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ دس چندر منٹ میں مختلف سڑکیں اور گلیاں مڑنے کے بعد وہ کافی دور نکل آیا تھا مگر ابھی تک کسی ٹیکسی کا نشان نظر نہیں آیا تھا۔ اس کا سبیل فون بھی اس لڑکی نے لے لیا تھا اور نہ وہ فون کر کے کسی دوست کو کہہ دیتا۔

کچھ دور چلنے کے بعد اسے اسٹریٹ لائٹس جلتی نظر آئیں۔ آگے میں روڈ نظر آرہی تھی۔ اس نے راسٹ وایج دیکھی ساڑھے دس بج چکے تھے۔ اسے روڈ پر کھڑے تھوڑی دیر ہی ہوئی تھی کہ ٹیکسی مل گئی۔ اس نے ایڈریس سمجھایا۔

”آئی کلنٹ بلواٹ سلیمان۔“ ولید کے چہرے پر ابھی تک بے یقینی تھی۔

”تم یقین کرو یا نہ کرو میرے ساتھ ایسا ہو چکا ہے اور ابھی اس بات کو چوبیس گھنٹے بھی نہیں گزرے ہیں۔“ سلیمان کا لہجہ ٹھوس تھا۔

کل سے اس نے اس پہلو پر بہت سوچا تھا اور پھر آن ولید سے بات کی تھی۔

”میں جب لاہور میں پوسٹڈ تھا تو اس وقت میرے پاس ایک اسے ملتا جلتا کیس آیا تھا مگر جو تم بتا رہے ہو چار لڑکیاں اور نو یا۔“ وہ ایک بار پھر حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔

”ولید! میں ان لڑکیوں کو چھوٹوں کا نہیں۔“ سلیمان کا چہرہ اٹل ارادے کی خبر دے رہا تھا۔

وہ دونوں میٹرک سے کلاس فیلو چلے آ رہے تھے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ دونوں کی دوستی بھی گہری ہوئی تھی۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد دونوں نے ہی پولیس ڈپارٹمنٹ جوائن کیا تھا۔ سلیمان اسٹیشنل برانچ میں آفیسر تھا اور یہاں اس کا ٹرانسفر ہوتے ہی یہ واقعہ بھی ہو گیا۔

لڑکیاں اپنے لباس و انداز بول چال سے اونچے گھرانے کی ہر وہ نظر آرہی تھیں۔ ان میں سے جوان

کی سرخیز تھی بہت بے خوف تھی جبکہ باقی تینوں کی نیاز سی تھی جیسے انہیں کسی بات کی بھی خبر نہ ہو گئی۔ کیا کرنے جارہی ہیں اور اس کا کیا نتیجہ نکل سکتا ہے۔ ”تم کوئی کارروائی کرنے کا ارادہ رکھتے ہو؟“ اس کے چہرے کے تاثرات سے اندازہ لگا چکا تھا۔

”ہوں۔“ اس نے ہنکارا ابھرا۔ ”وہ ملاقات تو مجھے چل چکا ہے جہاں مجھے لے جایا گیا تھا۔ ان کے ساتھ یقینی طور پر ایک لڑکا بھی ہے۔ ایک آئیڈیل شل ہو گیا ہے۔“ جرات کی ابتدا ایسے ہی ہوئی ہے جن لوگوں کو خوف کرتے ہوئے یا کرنے کے بعد پکڑ کا خوف نہیں ہو گیا۔

وہ عام لوگوں سے زیادہ خطرناک ثابت ہوتے ہیں۔ ان لڑکیوں کے دہانے میں ’میں نے صاف طور پر بات محسوس کی ہے‘ یقین کرو میرا خون کھول جائیگا۔ جب میں ’صنف نازک‘ کو اس قسم کی حرکتیں کرتا دیکھتا ہوں۔ اس لڑکی نے پستول تھام رکھا تھا اور اسے اس بات کا ذرہ بھر خوف نہیں تھا کہ اس کی ذرا سی احتیاطی سے گولی چل سکتی ہے۔ وہ اپنے ساتھ کمرے کے بتا رہی تھی اور تاوان کا لفظ بھی اس نے استعمال کیا تھا۔ میں اور باتیں نہیں سن سکا۔

”باہر چلی گئی تھی۔“ ولید غور سے اس کی باتیں سن رہا تھا۔

”تو یہ ہے کہانی کہ اسٹیشنل برانچ کے آفیسر خورو لڑکیوں نے دن دہارے گمن پوائنٹ کر لیا۔“ ولید نے قصداً شوخ انداز میں کہا۔ ماحول پر چھائی سنجیدگی کم ہو سکے۔ سلیمان نے رکھا پیپر وٹ اٹھایا مگر وہ ارادہ بھانپ کر رہا ہو گیا۔

”کاش! ہمیں بھی کوئی ایسے کڈنیپ کرتے کہ ہمیں اے حسینو! مجھے آزاد نہ کرو اپنی زلفوں کی طرف میں رہنے دو۔“ ولید پوری طرح فارم میں سر جھٹک کر آنے والی فون کال کی طرف متوجہ ہو گیا۔

”ارمان! اب کیا ہوگا؟“ میں بہت پریشان ہو گیا۔

”دونوں ہاتھ سستی بہت مضطرب سی لگ رہی تھی۔“ ”کچھ نہیں ہونا بیڑر ٹیکس۔ اس ڈفرنے شکر کیا۔“ ”کونسا؟ کیا اور نہ میں تو کچھ اور ہی سوچ رہا تھا گھر آئی مرنے کو میں حلال کرنے کا قائل ہوں۔“ وہ اس کے ہاتھ سینا اس کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا جیسے اس کی۔ ”پورا کوڑھنے کی کوشش کر رہا ہو۔“

”لیڈ! سب نہیں سمجھی نہیں۔“ ”تم نے شروع میں مجھے ساتھ نہ رکھ کر یونانی کی اگر مجھے پسے ہی شریک کر لیتیں تو میں تمہیں بہت کام کی باتیں بتاتا اور تم نے جو انجوائے منٹ کے لیے کیا اس سے فائدہ اٹھانے کا کر جانا مگر بہت افسوس کی بات ہے تم نے تو مجھے ہوا بھی نہ لگنے دی۔“

”ارمان! اصل میں میری فریڈ نے مجھے منع کیا تھا کہ تمہیں انٹارم نہ کروں خاص طور پر نیم تو بہت چڑتی ہے۔“ ”آج پریشانی میں نہ بتانے والی بات بھی اس کے منہ سے پھسل گئی تھی۔ ارمان نے سن کر ٹھنڈی سانس بھری۔

”پہلو توئی بات نہیں وہ چڑتی ہے تو۔ تم تو نہیں جانتے تھے نا۔ اب تو میں کچھ اور ہی سوچ رہا ہوں۔“ وہ مٹی خیز لہجے میں بولا۔

”ملائکہ سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی تھی۔“ ”تم پہلے مجھے بتا دیتیں تو میں تلوان کے پچاس لاکھ لائنا اور وہ سب تمہارے ہوتے۔“

”بالکل ابھی ہم پیرٹس۔“ ڈھنڈے کرتے ہیں۔ ”طلب ہمیں ذرا ذرا ضرورت کے لیے حمی ڈیڈی کے سامنے ہاتھ پھیلا تاڑتا ہے اگر ایسا نہ ہو تو سوچو کیا ہو؟“ ”میں ان سے مانگنا نہ پڑے ہمارا اپنا بینک اکاؤنٹ۔“

”بینک اکاؤنٹ تو اب بھی ہے۔“ ملائکہ نے فوراً اس کی بات کالی۔

”جوائنٹ ہے ڈیر! ہم اپنی مرضی سے زیادہ رقم نہیں نکل سکتے۔“ اگر تم تھوڑی بہت کرو تو پھر انجوائے منٹ کی انجوائے منٹ اور پیسے کا پیسہ۔“

ارمان نے چٹکی بجائی۔

”مگر ارمان اس میں بہت ریسک ہے۔“

”میں ہوں نا تمہارے ساتھ اب اپنی فریڈز کو کچھ نہ بتانا۔ بس ام دونوں ٹھیک ہیں۔ لیکن اس بار کتنا مزا آئے گا ام پوری پلاننگ سے سب کچھ کریں گے۔“

”ارمان! اگر کچھ ہو گیا تو۔“

وہ اب بھی دوسو سوں کا شکار تھی۔

جب سے وہ نوجوان نیم کو بے ہوش کر کے اس کے قبضے سے بھاگا تھا تب سے وہ صحیح معنوں میں خوفزدہ تھی۔ اسے ہر وقت یہی دھڑکا رہتا کہ جیسے سب کو ہٹا چل جائے گا اور وہ نوجوان کہیں اچانک اس کے سامنے آجائے گا۔ مگر آج ارمان سے بات کر کے وہ ذرا مطمئن ہو گئی تھی۔

اس واقعے کو چار روز گزر چکے تھے اور کچھ بھی نہیں ہوا تھا تب ملائکہ کے ساتھ نیم بھی پر سکون ہوئی۔ کیونکہ وہ ان کی شکلوں کے ساتھ ساتھ نام سے بھی واقف تھا۔ ملائکہ نے کئی بار اس کے سامنے نیم کو اس کا نام لے کر پکارا تھا۔ جب ماہ نور اور ثانیہ کے سامنے نیم نے کھل کر اپنے خوف کا اظہار کیا تو انہوں نے شکر کا کلمہ پڑھا کہ وہ بروقت اس معاملے سے جان چھڑا کر الگ ہوئی تھیں۔ اسی وجہ سے ملائکہ کا رویہ ان دونوں کے ساتھ بہت خراب تھا جسے ماہ نور نے شدید سے محسوس کیا تھا۔

”ملائکہ بہت بدل گئی ہے پہلے سی بات نہیں ہے اس میں۔ اور پھر ارمان کے ساتھ اس کی دوستی کے پورے ڈپارٹمنٹ میں چرچے ہیں۔“ اس نے حتی الامکان نیم کے سامنے نرم لفظوں کا چٹاؤ کیا تھا۔ کیونکہ نیم ملائکہ کے بہت قریب تھی۔

”ارمان! مجھے بھی پسند نہیں ہے ہٹا نہیں ملائکہ نے اس میں کیا دکھا ہے جو مری جارہی ہے۔“ خلاف توقع وہ تنگ کر بولی تو ماہ نور نے کچھ جتائی لگا ہوں سے ثانیہ کی طرف دیکھا۔

"مجھے لگتا ہے اس میں جو بھی تبدیلیاں آئی ہیں سب ارمان دوستی کی مرہون بنت ہیں۔ ورنہ اس لیے اتنا جو خطرناک کام کیا ہے وہ کم سے کم میں نہیں کر سکتی۔" ثانیہ نے بے اختیار کانوں کو ہاتھ لگا گئے۔

"تم بے شک نہیں کر سکتی مگر اس ایڈیٹر میں شریک رہی ہو اسے انکار کرو گی؟"

"شریک تو تم بھی رہی ہو۔" ثانیہ نرم کے وارپہ تلملا گئی۔

"ہاں تم ٹھیک کہتی ہو واقعی میں شریک رہی ہوں اور میرا نام بھی ملا تھا۔" ثانیہ نے اس کے سامنے لیا اگر پاپا کو پتا چل گیا تو۔"

"نرم نے وہ دونوں ہاتھوں سے سر ختم لیا۔

"کچھ نہیں ہوتا تم پریشان نہ ہو۔" مہنور نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ اس کو دیکھ کر رہ گئی۔



سائہ جب سے شادی سے واپس آئی تھیں لوٹ کر رہی تھیں کہ نرم بہت ڈسٹرب سی ہے۔ تیمور ملک نے بھی اس بات کو نوٹ کیا تھا۔ وہ انتظار کر رہے تھے کہ شاید وہ خود ہی بتا دے۔ مگر تاحل اس کی طرف خاموشی تھی تیمور صاحب نے اسے اس کی ناراضی پہ محمول کیا تھا۔

وہ بیڈ پہ سیدھی لیٹی چھت کو گھور رہی تھی جب سائہ جیکم نے دروازہ کھول کر اندر قدم رکھا۔ آہٹ پہ نرم سیدھی ہوئی اور پھر سامنے سائہ کو پا کر سدا کا تنفر اس کے چہرے پہ بھی ابھر آیا۔

"جی کیا بات ہے؟" وہ اٹھ بیٹھی۔ سائہ بے چاری کھسا گئیں۔

"گمراہ بند کر کے کیوں بیٹھی ہو باہر آؤ تمہارے پاپا بھی پوچھ رہے ہیں کہ چھٹی کا دن ہے اور تم ابھی تک کمرے سے نہیں نکلیں۔ میں محسوس کر رہی ہوں کہ تم پریشان سی ہو۔"

سائہ کے لہجے میں اپنائیت ہی اپنائیت تھی جو نرم کو سراسر اس کی مکاری محسوس ہوئی۔

"آپ کو میری فکر میں دلا ہونے کی ضرورت نہیں ہے مجھے کوئی پریشانی نہیں ہے اور اگر کبھی ہوئی ہے تو میں آپ کو نہیں بتاؤں گی کیونکہ میں اپنے دل کے لیے خود ہی فیصلہ کرتی ہوں آپ زیادہ اچھی بننے کی کوشش نہ کریں اس کوشش سے آپ بے شک پاپا کو تنفر کر سکتی ہیں مگر مجھے نہیں۔ اب آپ میرے کمرے سے تشریف لے جائیں۔"

اس کے ایک ایک لفظ سے زہر ٹپک رہا تھا۔ اس کے بعد وہ اپنے نیل فون کے ساتھ مصروف ہو گئی۔ اس بات کا اشارہ تھا کہ اب وہ جا سکتی ہیں۔ واپس آئے اس کے قدم من من بھر کے ہو رہے تھے۔ آہٹ ہونے ہیٹ کی طرح ان کا دل خوش گمانوں سے بھر گیا تھا مگر جاتے ہوئے یوں لگ رہا تھا کہ وہ اپنا سارا احوال بار آئی ہیں۔

تیمور صاحب کے سامنے جاتی انہوں نے تیمور صاحب سے کہا۔ وہ اخبار پڑھ رہے تھے۔ چھٹی دن ان کی کوشش ہوئی تھی کہ گھر پہنچے ہی زیادہ سے زیادہ وقت گزاریں اگر نرم کامیاب ہو تو وہ سائہ جیکم کے ساتھ باہر ہی ڈنر کرتے تھے۔ آج بھی ان کا کمرہ ہی پروردگار تھا۔

سائہ جیکم کے جانے کے بعد نرم بیڈ سے اٹھ کر سامنے ڈرائنگ نیل کے آئینے میں اس کا سر لگا دیا تھا۔ واقعی وہ شکل سے ہی پریشان لگ رہی تھی۔

"مجھے کوئی بھی ایسا تاثر نہیں دینا چاہیے جو میری طرف سے مشکوک کر دے۔" اس نے اپنے

غصے دیکھتے ہوئے خود کو بلور کر لیا اور کمرے کے باؤں پر برش کیا۔ پھر کپڑے تبدیل کئے۔

منٹمن ہو کر وہ لاؤنچ میں آ گئی۔

"اٹھ گئی ہو مینا! خیر۔" تیمور صاحب خوش سے مسکرائے تو نرم کو بے حد شرمندگی ہوئی۔

"جی پاپا!"

"تو آج باہر ڈنر کرنے کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

سائہ آپ کی پسند کی آکس کریم بھی ہو گی۔

"جو آپ کی مرضی پاپا! خلاف توقع وہ آ رہی ہے۔"

نرم نے۔

"آپ دنوں شام کو تیار رہنا!"

بانیہ نے پاپا! وہ اس وقت بہت فریاد بردار لگ رہی تھی۔

تیمور ملک خوش ہو گئے کیونکہ وہ بہت کم ان کے ہاتھ جاتی تھی اسی وقت جب سائہ بھی ان کے ساتھ آئی۔

نرم نے تو نرم نے آج تک سائہ کے بارے میں کبھی کوئی شکایت کی تھی نہ ہی سائہ نے کبھی کچھ کہا تھا مگر اس کے باوجود وہ آنکلیں اور کلن رکھتے تھے نرم کا سرخنگ والا رویہ انہیں دکھ دیتا تھا۔ شام کو وہ اپنی پسند کے کپڑے پہن کر تیار بھی ہو گئی تھی۔

وہ خوش نظر آنے کی پوری کوشش کر رہی تھی مگر اس کے باوجود لگ رہا تھا کہ اس میں کوئی تبدیلی ہی آگئی ہے۔ تیمور ملک کے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ وہ خوش ہے اور ان کے ساتھ آگئی ہے۔



نرم شام کی کلاس لے کر وہ نکلی تو ملائیکہ باہر ہی کھڑی تھی۔

"تم نے کلاس کیوں نہیں لی؟" نرم نے استفسار کیا۔

"بس اہل نہیں جا رہا تھا۔" وہ بے نیازی سے بولی۔

"تھیں پتا ہے اگر امز میں کم وقت رہ گیا ہے۔"

نرم نے اسے یاد دلانے کی کوشش کی۔

"اے! پڑھ لوں گی۔" وہ جھنجھلا کر بولی۔

نرم چپ ہو گئی۔

مہنور اور ثانیہ دونوں غیر محسوس انداز میں ملائیکہ سے دور دور رہنے لگی تھیں۔ جواباً اس نے بھی پردا بیک لی تھی اسے کون سا دوستوں کی کمی تھی پھر نرم کی۔

ارمان نے کہا تھا کہ نرم کے فادر کے پاس کافی وقت ہے جو ہمارے کام آ سکتی ہے۔ اس نے تو یہ بھی کہا تھا کہ نرم کو بھی اپنے منصوبے میں شریک کرتے

ہیں۔ مگر وہ چپ ہو گئی تھی۔ کیونکہ اسے نہیں لگتا تھا کہ وہ ان دونوں کا ساتھ دے سکے گی مگر ارمان کی تیمور انگل کی اسٹونگ پوزیشن والی بات اس کے دل کو گلی تھی۔

انہیں بات کرتے ہوئے چند منٹ ہی گزرے تھے کہ ارمان بھی ملائیکہ کو ڈھونڈتے ان کے ڈپارٹمنٹ چلا آیا۔

"اوہو تو نرم صاحبہ بھی یہاں ہیں۔" صاف لگ رہا تھا کہ اس کی حیرت مصنوعی ہے۔

"کیسی ہیں آپ؟" وہ بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا۔

"میں ٹھیک ہوں۔" اس کا لہجہ بے تاثر تھا۔

ارمان کی موجودگی میں وہ پرسکون نہیں رہ سکتی تھی جانے کیا بات تھی۔ اوہ وہ ملائیکہ کی لاپرواہی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے نرم کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس کے سیاہ اسکارف میں لیے بال شانوں پر پڑا وہ پیشہ مکالمے جو توں میں مقید پاؤں سب ہی گویا کسی بھید بھری کہانی کا پتا دیتے تھے۔ اسے بے حجاب حسن پسند تھا مگر نرم کا کترایا احتیاط بھرا رویہ جانے کیوں اسے کچھ سوچے چلے جانے مجبور کرتا تھا۔

"نرم! آج ارمان کی برتھ ڈے ہے میرے ساتھ تم بھی آنا۔" وہ ملائیکہ بیک میں ہاتھ ڈالے کچھ تلاش کر رہی تھی۔

"سوری میں تو نہیں آ سکتی۔"

"کیا مطلب میں نہیں آ سکتی۔ تم ابھی چلو گی ہمارے ساتھ راول ڈیم۔ تھوڑی دیر گھوم پھر کر آجائیں گے یونیورسٹی ٹانگ میں ہی۔" ملائیکہ نے قدرے غصے سے کہا تو پھر اس نے ایک بار پھر کوشش کی۔

"ڈرا تیمور ابھی آجائے گا مجھے لینے۔"

"پاپا! اسے پہلے ہی ہم یونیورسٹی واپس آجائیں گے، بس ایک ڈیڑھ گھنٹے کی بات ہے۔ ارمان کی ضد ہے کہ راول ڈیم جا کے ہی ایک کالے گا اور تم میری بہت فریڈ ہو، میں جاؤ گی ساتھ میرے۔" ملائیکہ

نے جذباتی وار کیا تو وہ بالکل خاموش رہی۔
 "چلو ارمان! جلدی کرو۔" ملائکہ نرم کے ساتھ
 مارنگ کے لیے مخصوص کی ہوئی جگہ کی طرف چلنے
 لگی۔
 ارمان گاڑی نکال کر لے آیا۔ پھر راول ڈیم پہنچنے
 تک ملائکہ اور ارمان ہی بولتے رہے وہ ہوں ہاں کرلی
 رہی۔

ریان دو دن کے لیے اس کے پاس آیا ہوا تھا۔
 سلیمان آفس سے فارغ ہو کر سیدھا گھر آیا۔ اس کی
 ٹائٹ ڈیوٹی بھی گزشتہ تین دن سے۔ آج بھی فارغ
 ہوتے ہوتے دس بج چکے تھے۔ گھر پہنچا تو ریان بوریت
 چہرے پہ سجائے بیٹھا تھا۔

"بڑے بھائی مجھے نہیں آنا چاہیے تھا دھر۔"

"ارے کیوں۔"

"اس لیے کہ آپ کی شکل کل سے آج دیکھنے کو ملی
 ہے۔" وہ نرم سے ہنسنے لگا۔
 "میں چیچ کر لوں پھر دونوں چلتے ہیں۔ تمہیں لچ
 کراؤں گا اور لاٹنگ ڈرائیو۔ جاؤں گے تم بھی تیار
 ہو جاؤ۔" اسے تیار ہونے کا کہہ کر سلیمان نے اپنے
 کمرے کا رخ کیا۔

ریان اور وہ وہی بھائی تھے۔ ریان کمپیوٹر سائنس
 میں ماسٹر کر رہا تھا۔ سلیمان بہت زندہ دل اور شوخ
 مزاج تھا۔

یونیورسٹی سے دو دن کی چھٹی تھی تو اس نے
 سلیمان کی طرف چکر لگانے کا پروگرام بنالیا۔

ریان سٹی پہ شوخ سی دھن بجاتے ہوئے تیار
 ہونے کے بعد پرفیوم لگا رہا تھا۔ خود کو اچھی طرح پیٹھ
 میں دیکھنے کے بعد وہ باہر نکلا۔ سلیمان ولید کو بھی فون
 کر چکا تھا اتفاق سے وہ بھی آج فارغ تھا تو اسے بھی
 اپنے پروگرام میں شریک کر لیا گیا۔ ولید کے آنے کے
 بعد تینوں اکٹھے نکلے۔

ریان مسلسل بول رہا تھا ولید بھی اسے ملے جلتے

مزان کا مالک تھا۔ سلیمان خاموشی سے ذرا میوگنگ
 تھا۔
 "ولید بھائی! آپ ابھی تک کنوارے کیوں ہیں؟"
 "بلبل۔" اسی کا کنوارہ ولید کے لبوں سے پھوٹتا تھا۔
 "یار میری کوئی نکی کام آگئی ہے اس لیے بھائی
 ہوں۔ ویسے اپنے بڑے بھائی کی بھی فکر کرو۔"
 ہاتھوں ولید نے مشورہ دے ڈالا۔

"جی مجھے تو بہت فکر ہے۔ راتوں کی نیند بھی
 ہے میری تو۔" اس نے چہرے پہ دنیا جمان کی
 طاری کرلی۔

"وہ کیوں بھئی؟"
 "ان کی شاہی ہوگی تو میرا نمبر آئے گا۔"
 چارگی سے بولا تو ولید پھر ہنسنے لگا۔

یہ ساری باتیں آہستہ آواز میں ہو رہی تھیں۔
 ریان بڑے بھائی کے ساتھ اتنا فری نہیں تھا پھر اس کی
 سنجیدگی اور رکھ رکھاؤ ایسا تھا کہ وہ ایک حد تک اس کی
 تکلف ہونے کی اجازت دیتا تھا۔

سلیمان کا ارادہ پہلے "سیرین" میں لچ کرنے کا تھا۔
 ولید نے کہا پہلے راول ڈیم چلتے ہیں، تھوڑی دیر
 کر کے واپس آجائیں گے۔ ریان بھی اس کا ہم سفر
 تھا چنانچہ وہ سیدھے راول ڈیم چلے گئے۔

گاڑی پارک کرنے کے بعد ڈھلوانی راستہ
 کر کے وہ پانی کے قریب پہنچے۔ ریان بچوں کی
 خوشی کا اظہار کر رہا تھا۔ اچانک سلیمان کے قدم
 گھسے۔

"کیا ہوا رک کیوں گئے ہو؟" ولید بھی اس کے
 ساتھ رک گیا۔ ان لوگوں سے ذرا فاصلے پر دو لڑکیاں
 ایک لڑکا موجود تھے۔

"سلیمان بھائی ان کو دیکھ کر رکے تھے۔"
 "کیوں یار پسند آگئی ہے تو بات کرنا۔"
 شرارت سے بولا۔

اچانک ان میں سے ایک لڑکی اٹھی اور
 بھاگنے والے انداز میں مارنگ کی طرف چلی گئی۔
 "یہ والی فٹ ہے تمہارے بھائی کے۔"

شوخی نگاہوں سے سلیمان کی طرف دیکھ رہا تھا۔
 اس نے بد وقت اپنے آپ کو سنبھالا۔
 "سلیمان بھائی! آپ ابھی تک کنوارے کیوں ہیں؟"
 "بلبل۔" اسی کا کنوارہ ولید کے لبوں سے پھوٹتا تھا۔
 "یار میری کوئی نکی کام آگئی ہے اس لیے بھائی
 ہوں۔ ویسے اپنے بڑے بھائی کی بھی فکر کرو۔"
 ہاتھوں ولید نے مشورہ دے ڈالا۔

"جی مجھے تو بہت فکر ہے۔ راتوں کی نیند بھی
 ہے میری تو۔" اس نے چہرے پہ دنیا جمان کی
 طاری کرلی۔

"وہ کیوں بھئی؟"
 "ان کی شاہی ہوگی تو میرا نمبر آئے گا۔"
 چارگی سے بولا تو ولید پھر ہنسنے لگا۔

یہ ساری باتیں آہستہ آواز میں ہو رہی تھیں۔
 ریان بڑے بھائی کے ساتھ اتنا فری نہیں تھا پھر اس کی
 سنجیدگی اور رکھ رکھاؤ ایسا تھا کہ وہ ایک حد تک اس کی
 تکلف ہونے کی اجازت دیتا تھا۔

سلیمان کا ارادہ پہلے "سیرین" میں لچ کرنے کا تھا۔
 ولید نے کہا پہلے راول ڈیم چلتے ہیں، تھوڑی دیر
 کر کے واپس آجائیں گے۔ ریان بھی اس کا ہم سفر
 تھا چنانچہ وہ سیدھے راول ڈیم چلے گئے۔

گاڑی پارک کرنے کے بعد ڈھلوانی راستہ
 کر کے وہ پانی کے قریب پہنچے۔ ریان بچوں کی
 خوشی کا اظہار کر رہا تھا۔ اچانک سلیمان کے قدم
 گھسے۔

"کیا ہوا رک کیوں گئے ہو؟" ولید بھی اس کے
 ساتھ رک گیا۔ ان لوگوں سے ذرا فاصلے پر دو لڑکیاں
 ایک لڑکا موجود تھے۔

"سلیمان بھائی ان کو دیکھ کر رکے تھے۔"
 "کیوں یار پسند آگئی ہے تو بات کرنا۔"
 شرارت سے بولا۔

اچانک ان میں سے ایک لڑکی اٹھی اور
 بھاگنے والے انداز میں مارنگ کی طرف چلی گئی۔
 "یہ والی فٹ ہے تمہارے بھائی کے۔"

شوخی نگاہوں سے سلیمان کی طرف دیکھ رہا تھا۔
 اس نے بد وقت اپنے آپ کو سنبھالا۔
 "سلیمان بھائی! آپ ابھی تک کنوارے کیوں ہیں؟"
 "بلبل۔" اسی کا کنوارہ ولید کے لبوں سے پھوٹتا تھا۔
 "یار میری کوئی نکی کام آگئی ہے اس لیے بھائی
 ہوں۔ ویسے اپنے بڑے بھائی کی بھی فکر کرو۔"
 ہاتھوں ولید نے مشورہ دے ڈالا۔

"میں پوری طرح اپنے حواسوں میں ہوں۔" پہلی
 بار مزا نہیں آیا خاص کیونکہ جس کو اتنی محنت اور
 پائنگ کے بعد انگو کیا وہ بھاگ گیا۔ میرا ارادہ تھا کہ
 بے چارے کو خوب خوف زدہ کروں گی ڈراؤں گی اتنا
 کہ خوف کی شدت سے بے ہوش ہو جائے مگر افسوس
 تمہاری بزدلی کی وجہ سے ہاتھ آیا شکار نکل گیا۔" وہ اب
 پوری طرح نارمل ہو گئی تھی اور اسے لگاؤ بھی رہی

"کچھ بھی ہو ملائکہ! میں تمہارا ساتھ نہیں دے
 سکتی۔"

"پلیز صرف ایک بار۔"
 "نہیں یار میں نہیں کر سکتی۔ اتنا بھاد نہیں
 ہوں۔"

"میری خاطر پلیز۔" ملائکہ کا اصرار انتہا کو چھو رہا
 تھا۔ نرم کا دل نرم پڑنے لگا۔

"اس بار میں اگلے ہی سب کرلوں گی بس جب میں
 سب کرلوں گی تو آکر دیکھ لیتا۔"
 "چلو ٹھیک ہے۔" وہ مان گئی تو ملائکہ نے خوشی
 سے بے قابو ہو کر اسے گلے لگا لیا۔

یونگ کے بعد واپسی پر جب وہ وہاں سے گزرا تو
 اب وہ جگہ خالی تھی جہاں پہلے وہ موجود تھی۔ سلیمان
 نے اپنے اندرونی اضطراب کو چہرے سے محسوس نہیں
 ہونے دیا تھا۔ اگر ریان ساتھ نہ ہوتا تو ساری مصلحت
 بلائے طاق رکھتے ہوئے ان لڑکیوں سے پوچھ گچھ
 کرتا۔

اس کی موجودگی میں وہ کوئی ایکشن لیتا تو ساری
 حقیقت کھل جاتی پھر گھروالوں کو بھی خبر ہو جاتی اور ماما
 کہاں اس خبر کو برداشت کرتیں پہلے ہی تیار رہتی
 تھیں۔

"میں چھوڑوں گا نہیں اس معاملے کو۔" اس کا
 ارادہ مضبوط تھا۔ لچ کے بعد وہ واپس گھر آئے تو ولید
 بھی ساتھ ہی تھا۔ ریان کافی ہٹا کر لے آیا کیونکہ سلیمان

کا باورچی چھٹی پہ تھا۔
 ”وہ یار! اس عمر میں کیوں اس بے چارے کو
 تکلیف دیتے ہو۔“ ولید کا اشارہ پیالیوں میں کافی
 اندھلتے ریان کی طرف تھا۔
 ”کیا مطلب؟“ سلیمان نے بھنویں اچکاتے ہوئے
 اسد نکھا۔

”مطلب یہ کہ اب ہمارے لیے ایک بھابی لے
 آؤ۔“ ولید نے چٹکلیا جھوڑا۔
 ”جی بھائی جان! میرا بھی بہت دل کرتا ہے۔“ ولید
 کی موجودگی کی وجہ سے ریان بھی شیر ہو گیا۔
 ”بھائی! ممما سے کہوں کہ ایک بھابی کا انتظام
 کر دیں؟“ سلیمان نے اسے گھورا تو اس نے شکایتی
 انداز میں ولید کی طرف دیکھا۔
 ”ولید بھائی آپ کب شادی کریں گے؟“ مایوس
 ہو کر اب وہ ولید سے مخاطب ہوا۔

”جب کسی قسمت کی ماری کا داغ خراب ہوا اور
 اس نے تمہارے ولید بھائی کو دیکھ لیا تو اسی دن زلزلہ
 آئے گا“ حشر بپا ہو گا اور وہ بد قسمت ولید بھائی کے
 آنگن میں اتر آئے گی چڑیل بن کے چہم سے
 یوں۔“ اس نے چٹکی بجائی تو ریان کا ہنستہ ہنستہ برا حال
 ہو گیا۔ سلیمان بھی مسکرا رہا تھا۔

”سلیمان بھائی! کم ہی اس طرح مسکراتے ہیں مگر
 کتنے اچھے لگتے ہیں نا۔“ ریان ولید کی طرف جھک کر
 آہستگی سے بولا تو اس نے بھی تائید کی۔

اتوار کی شام کو ولید کی طرف کھانے کی دعوت
 تھی۔ ریان وہاں سے آنے کے بعد لاہور واپس چلا
 گیا۔ سلیمان کا بھی پروگرام تھا گھر جانے کا۔ کیونکہ
 یہاں آنے کے بعد وہ ابھی تک گھر نہیں گیا تھا۔
 ممما بھی اسے مس کر رہی تھیں۔

نریم یونیورسٹی سے لوٹی تو تیمور ملک گھر پہ موجود
 تھے۔ ان کی اس وقت موجودگی خلاف معمول تھی ورنہ
 وہ ہمیشہ اس وقت فیکٹری میں ہوتے تھے۔

”نریم کھانا کھا کر میرے کمرے میں آؤ۔“ ان کا
 اور تاثرات دونوں کسی مشکل صورت حال کی طرف اشارہ
 کر رہے تھے۔
 نریم کی چھٹی جس کسی خطرے کا اعلان کر رہی
 تھی۔ اب بھوک کہاں لگنا بھی اس نے کمرے
 بدل کر سیدھا ان کے کمرے کا رخ کیا۔ جہاں وہ
 اسی کا انتظار کر رہے تھے۔ سائہ کمرے میں موجود
 تھیں۔

”نریم دروازہ بند کر کے آؤ۔“ وہ دروازہ بند کرتے
 ان کے پاس آئی۔
 ”بیٹھ جاؤ۔“ نریم ان کے سامنے والی کرسی پر
 گئی۔ چند لمحوں تک وہ اسے دیکھتے رہے پھر
 ہوئے۔

”آج یونیورسٹی ٹائمنگ میں آپ کس کے ساتھ
 گاڑی میں جا رہی تھیں۔“ وہ بے تاثر انداز میں
 رہے تھے۔
 ”پاپا! میں ملائکہ کے ساتھ تھی۔“ وہ نظریں جھکا کر
 بولی۔

”ملائکہ کے ساتھ اور کون تھا؟“
 ”پاپا! وہ بھی ہمارا کلاس فیلو ہے۔ اصل میں
 کچھ نوٹس ملائکہ کی طرف رہ گئے تھے آج وہ اپنی
 نہیں لائی تھی تو اس لیے ہم اربان کے ساتھ
 گاڑی میں گئے تھے۔“ جھوٹ بولتے ہوئے اس نے
 زبان لڑکھڑاہی تھی۔

”چلو ٹھیک ہے پھر۔ اور بڑھائی کیسی جا رہی ہے؟“
 ”اے یون پاپا۔“ اب وہ مطمئن ہو گئی۔

سائہ ڈرائنگ ٹیبل کے آگے بیٹھی منہ پر کولا
 لگا رہی تھیں۔

”آج آپ بہت چپ چپ ہیں۔“ وہ اپنے
 فاسخ ہونے کے بعد ان کی طرف آئیں تو بیٹہ
 سے ٹیک لگائے وہ کسی غیر مرئی نکتے کو دیکھ رہی
 تھیں۔ ”کیا بات ہے؟“

”ہوں تم نے کچھ کہا؟“ وہ ہڑبڑا کر ان کی طرف متوجہ ہوئے جو تشویش بھرے انداز میں انہیں دیکھ رہی تھیں۔

”آپ پریشان سے لگ رہے ہیں؟“
”سائہ! نرم کا یہ آخری تعلیمی سال ہے۔“ وہ کہتے کہتے رک گئے جیسے جھجک رہے ہوں۔
”تو پھر کیا ہوا؟“

”سائہ! مناسب وقت پہ نرم اپنے گھر کی ہو جائے تو اچھا ہے۔“

”ہاں میں بھی سوچ رہی تھی کہ نرم انگرام سے فارغ ہو جائے تو کوئی اچھا رشتہ دیکھ کر اسے رخصت کر دیتے ہیں۔“ وہ اس وقت ردا جی ماں کی طرف لگ رہی تھیں۔

”اب تک جتنے بھی رشتے آئے ہیں میں ان کی طرف سے مطمئن نہیں ہوں ورنہ خلوں بھٹی لے بھی اپنے بیٹے کا پر پونل دیا ہے مجھے۔“ انہوں نے اپنے ایک کاروباری دوست کا نام لیا۔

”آپ سے ایک بات کہوں مگر ڈر لگتا ہے کہ شاید آپ کو برا لگے۔“

”کیسی باتیں کرتی ہو سائہ! کیا اب بھی ہمارے رشتے میں کوئی کمی ہے جو مجھے تمہاری بات بری لگے گی۔“

”ارے نہیں اصل میں لاہور میں عثمان بھائی ہیں نا وہی خدیجہ آپا کے شوہر۔“

”ہاں ہاں عثمان صاحب سے میری ملاقات ہوتی رہی ہے مختلف موقعوں پر۔“ تیمور صاحب کو خوب اچھی طرح یاد تھا۔

سائہ اپنی سب سے بڑی بہن اور ان کے شوہر کا ذکر کر رہی تھیں۔

”جی جواہر فورس میں اسکو اردن لیڈر تھے ان کے دو ہی بیٹے ہیں۔ بڑا بیٹا تو تعلیم مکمل کر کے بہت اچھی پوسٹ پہ ہے اور چھوٹا شاید ہماری نرم کا ہی ہم عمر ہو پڑھ رہا ہے اگر آپ کو پسند ہو تو میں آپا اور عثمان بھائی سے بات کروں۔ بلکہ یوں کریں پہلے آپ لڑکے

سے مل لیں اگر آپ کو پسند ہو تو اس کے بعد میں خود اپنا اور ان کے شوہر سے بات کروں گی۔“

”مفتنک یو سوچ سائہ! تم نے تو میری بہت مشکل حل کر دی ہے۔ تم اللہ کا انعام ہو میرے لیے۔“ شدت جذبہ سے تیمور کی آواز بھرا گئی۔

”آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ وہ میری ساری باتیں بھول گئی ہیں۔“ وہ جتنا آپ اس کے لیے پریشان ہونے لگی تھی اسی لمحہ ہوتی ہوں۔ خدیجہ کیا کی ساری ساری باتیں بھولی ہوئی ہے اور ان کے بیٹے بھی بہت اچھے ہیں۔

اگر نرم مان جاتی ہے تو اچھی بات ہے۔ میرے دل میں یہ بات پہلے سے تھی مگر ذرا تھی کہ آپ کو نرم کو برا نہ لگے۔“ وہ سانس کوئی سے بولیں۔

”سائہ! نرم کی فکر نہ کرو۔ میں سب جانتا ہوں۔ اس کا رویہ تمہارے ساتھ بہت خراب ہے۔ میرے

لاڈنے اسے بگاڑ دیا ہے۔ مگر سب کچھ جانتے ہوئے بھی میں تم سے ریکوٹ کرتا ہوں کہ پلیز نظر انداز کر دیا کرو ایک دن تمہاری محبت اور خلوص کا احسان ضرور ہو گا۔“

”تیمور! آپ مجھے شرمندہ کر رہے ہیں پلیز۔“

کیس۔ میں نرم کے مزاج سے واقف ہوں۔

اللہ وہ ٹھیک ہو جائے گی۔

”تم بہت اچھی ہو سائہ!“ وہ اسے منوں منوں سے دیکھ رہے تھے۔ سائہ کے ہاتھ ان کے ہاتھ میں تھے۔

”نرم! مان جائے گی نا!“

”کیوں نہیں مانے گی یہاں اس کی ضد نہیں کی۔“

ان کا انداز درشت سا تھا۔

”پھر بھی تیمور! سختی سے بات نہیں بنے گی۔“

پتا ہے میں یہ نہ ہوا اور بھی متغیر ہو جائے۔ وہ مجھ سے ہنسنے لگی۔

”نرم سنیں نہ لو۔ کبھی کبھی سختی کرنی پڑ جاتی ہے۔“

مان جائے گی۔ کسی روز لڑکے کو انوائٹ کر لوں گی۔

بتا رہی تھیں کہ وہ اسلام آباد میں ہی ہے آج کل۔

”جی ہاں۔ خدیجہ آپا سے میری بات ہوئی۔“

وہ بتا رہی تھیں کہ سلیمان کی پوسٹنگ یہیں ہوتی ہے۔ میں کل فون کروں گی سلیمان کو پھر کوئی دن رکھ لیں گے۔“

”جیسا مناسب سمجھو میں نے یہ حائل نہایت پرکھ لیا ہے۔“ وہ مطمئن سے انہیں دیکھ رہی تھیں۔

اور سائہ اندر تک شانت ہو گئیں کیونکہ تیمور

کچھ دنوں کے لیے کھنی چھاؤں سے بھی پرہیز کر تھا۔

سائہ یتیم کی آواز سن کر سلیمان کو خوشگوار سی حیرت ہوئی تھی۔ ان سے ملاقات کم کم ہی ہوتی تھی۔ آخری بار سلیمان ان سے اپنے ماموں زاد طلحہ کی شادی پہ ملا

تھا۔

”کیسے ہو؟“

”میں تو ٹھیک ہوں۔ آپ نے مجھے کیسے یاد کر لیا۔“

”ہاں تمہیں یاد دہانی کرانا تھی کہ تمہاری اکلوتی

خالا اسی شہر میں ہوتی ہے۔ اس اتوار کو ہمارے ساتھ

آکر کرنے کے بارے میں کیا خیال ہے۔“ سائہ بہت مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

”خالہ جی! اس ویک اینڈ کو میں لاہور جاؤں گا

ماتے ملنے وہاں سے واپسی پر کسی بھی دن آپ کی

طرف آجاؤں گا۔ بچ یا ڈر کا کٹکٹ کرنے کی ضرورت

نہیں ہے۔“

”پلو ٹھیک ہے۔ گھر سے ہو آؤ پھر جب بھی فری ہو

مجھے بتانا پھر میں تیمور کو بھی بتا دوں گی تاکہ گھر پر رہیں۔

”ہاں جی ملاقات ہو جائے گی۔“

”ٹھیک ہے جو آپ کی مرضی۔“ سلیمان سعادت

منشی سے بولا تو سائہ خوش ہو گئیں۔

یہ مرحلہ بھی طے ہو گیا تھا۔ انہوں نے تیمور

صاحب کو بھی بتا دیا۔ تو وہ پوری طرح مطمئن ہو گئے۔

آج سلیمان ان کے گھر آ رہا تھا۔ سائہ خود کچن میں

ساجدہ کے ساتھ ڈشز بنوا رہی تھیں۔ سائہ نے ایک

دن پہلے ذرا ٹنگ روم کے پردے وغیرہ دھلائے تھے

اور سب کچھ صاف کر دیا تھا۔ سینیٹنگ مینڈی گئی تھی۔

نرم سب چیل پہل دیکھ رہی تھی مگر ابھی تک اس

نے کسی سے پوچھا نہیں تھا۔ پھر آج تیمور صاحب جی

آفس سے جلدی آگئے تھے۔ سائہ کو تو وہ اس قابل

کبھی ہی نہیں تھی کہ کچھ پوچھے البتہ ان سے پوچھنے

میں حرج نہیں تھا۔

”ایسا! کوئی مہمان آرہے ہیں؟“ وہ وقت گزاری کے

لیے نیوز چینل دیکھ رہے تھے اس کے سوال پہ پوری

طرح اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

”جی جی! مہمان آ رہا ہے۔ آپ کی ممان کا بھانجا

ہے۔“ وہ خوش دلی سے بولے۔

نرم کا رواں رواں جل اٹھا۔ کیونکہ اس کی سگی

خالہ تھی ہی نہیں۔ اس کی ممان اکلوتی تھیں۔ تو یقینی

طور پہ یہ سائہ بیگم کا رشتہ دار تھا۔ جتنی جز اور نفرت

اسے سائہ سے تھی اتنی ہی سائہ سے وابستہ ایک ایک

چیز اور رشتے سے تھی۔

”وہ غصے سے اٹھ آئی اور اپنے کمرے میں آکر تیار

ہونے لگی۔ آنا“ فنا“ اس نے فیصلہ کیا تھا ثروت

پھوپھو کی طرف جانے کا۔ کیونکہ سائہ بیگم کو یہ بتانا

بھی مقصود تھا کہ تمہارے رشتہ داروں کی میری نظر

میں کیا اوقات ہے۔ پھر تیمور صاحب کے علم میں

لائے بغیر وہ ڈرائیور کے ساتھ باہر نکل آئی۔ روشن

اسے چھوڑ کر آیا تو انہیں پتا چلا کہ نرم گھر پر نہیں ہے۔

تیمور صاحب نے بمشکل غصہ ضبط کیا تھا اور اس

کا موقع بھی نہیں تھا کیونکہ سلیمان آچکا تھا۔

لسبا جوڑا کٹرل سایہ نوجوان انہیں بہت اچھا لگا تھا۔

دوران تعلیم سلیمان ہوشل میں رہا تھا۔ اسی لیے تیمور

کا اتنا زیادہ ملنا ملنا نہیں تھا۔ اور آج تو وہ اسے کسی اور

ہی نظر سے دیکھ رہے تھے۔

ورزشی جسم کا مالک، چمکتی برتاؤ نگاہیں، جاذب نظر

مراے کے مالک اس پر کشش سے نوجوان کو نرم

نا پسند گری نہیں سکتی تھی۔ سائہ نے خاصا اہتمام کیا

ہواں سے لے جا چکی تھیں۔ اس کی یہ خواہش جائز تھی کیونکہ نکاح جو ہو چکا تھا اب تو اعتراض کی گنجائش ہی نہیں تھی۔

ساتھ دس بارہ منٹ بعد ذرا تنگ دم میں واپس آئیں۔

”نریم کی طبیعت کل سے خراب تھی اور آج بہت تیز بخار بھی ہے اسے۔ میں نے کہہ دیا ہے تھوڑی دیر کمر سیدھی کرلو۔“ سب کی سوالیہ نگاہوں کے جواب میں انہوں نے بتایا۔

”خدا! آپ سے ایک بات کرنی ہے۔“ تیمور صاحب اپنے سسرالی رشتہ داروں سے بات چیت میں مگن تھے جب سلیمان نے انہیں مخاطب کیا۔

”کیا بات ہے؟“ وہ ٹھنک سی گئیں۔

”میں نے ابھی تک اپنی منگولہ کو نہیں دیکھا ہے۔“

اگر آپ اجازت دیں تو میں ایک نظر دیکھ دوں۔“

”ہوں اس میں حرج تو نہیں ہے مگر وہ سوری ہے۔“

”کوئی بات نہیں میں اٹھاؤں گا نہیں۔“ پہلی بار

سلیمان کی لہجے میں شوخی سی محسوس ہوئی۔

”اچھا آؤ میرے ساتھ۔“ اسے اللہ میری مدد کرنا۔

بھرم رکھ لینا۔“ دل ہی دل میں انہوں نے دعا کی تھی۔

گھرے میں زیر و پاؤں کا بلبل جل رہا تھا۔ نریم سرخ

موڑے سوری تھی۔ اس نے کپڑے بدلنے کی بھی

زحمت نہیں کی تھی اسی طرح آکر لیٹ گئی تھی۔

”او۔“ سائرہ نے اندر آنے کا اشارہ کیا۔

نریم کا سارا وجود کمر میں ملفوف تھا سوائے چہرے

کے وہ بھی ایک ایک سائڈ پر اس کا ہاتھ تھا اور رخسار

کا دوسرا حصہ ہیکے کی طرف تھا۔ اگر اسے دیکھنا کہا جا

سکتا تو سلیمان نے دیکھ لیا تھا۔

وہ ناشتا کیے بغیر بیک اور جرتل اٹھا کر یونورشی جانے کے لیے نکل رہی تھی جب سائرہ بیگم نے پیچھے سے آواز دی۔ نریم گاڑی کے قریب پہنچ گئی تھی۔

”نریم! ناشتا کر کے جاؤ تیار ہے۔“ سائرہ بیگم اس کے پیچھے ہی آگئی تھیں۔ جواباً وہ کچھ بھی نہ بولی اور خاموش سے انہیں دیکھنے لگی۔

اس کی یہ خاموشی زہریلی سرد نگاہیں سائرہ کو اندر زبردستی

اندر توڑ دیتی تھیں۔ اس دن کے بعد سے نریم سائرہ

تیمور اور سائرہ کے پاس بیٹھنا ہی چھوڑ دیا تھا۔ نکاح کے بعد

بعد پانچ دن آوہ یونورشی ہی نہیں گئی۔ ثانیہ ملائکہ

اور ماہ نور اس کا پتا کرنے گھر آئی تھیں۔ سائرہ نے بنیادی

غیر متوقع خبر سنائی کہ نریم کا نکاح ہو گیا ہے۔

تینوں اس سے خوب لڑیں۔ وہ خاموشی سے ڈانٹ رہی

سنتی رہی۔ سائرہ انہیں بٹھا کر خاطر مدارت کے لیے باہر

پکڑنے کی طرف آئیں تو نریم نے انہیں کرد و باز بند کر

دیا۔ تینوں کو ہی اس کی حرکت سے کس غیر معمولی

واقعے کا اندازہ ہو رہا تھا۔ مگر نریم تھی کہ کچھ پھوٹ کر

ہی نہیں دے رہی تھی۔

”کیا کرتے ہیں موصوف اور کیا باجوہ؟“

”ہاں یہ اس کے چہرے پر کچھ کھوج رہی تھی۔“

”ہاں نہیں۔“ وہ لا تعلقی سے بولی تو تینوں ایک

دوسرے کی طرف دیکھ کر رہ گئیں۔

پھر کتنی دیر وہ بیٹھی رہیں مگر نریم خاموشی سے

جھٹکائے بیٹھی رہی۔ ”ہوں ہاں سے زیادہ اس نے کوئی

لفظ پھوٹ کر نہ دیا۔“

سائرہ نے ہی سلیمان کے بارے میں مختصراً بتایا اور

وضاحت کی کہ جلدی کی وجہ سے وہ انہیں اتنا

نہیں کر سکیں۔

”آئی! سلیمان بھائی کی کوئی تصویر ہے کہ ہم دیکھ

لیں۔“ یہ ماہ نور تھی جس نے ان دونوں کی بھی

خواہش کو الفاظ کا روپ دیا۔

”آئی جلدی میں یہ سب ہوا کہ کوئی موقع ہی

مل سکا۔ سلیمان جب آئے گا تو میں آپ سب

انوائٹ کروں گی۔ دیکھ لیتا اور مل بھی لیتا۔“ سائرہ نے

خوش دلی سے لکھی۔

اس کے باوجود بھی ان تینوں کے دل دماغ میں

سوالات مچل رہے تھے۔ نریم تو گونے کا گڑ کھا

بیٹھی تھی۔

”سائرہ! آئی کتنی ٹائرس ہیں نریم خواہ مخواہ ہی اتنی

نہیں کرتی ہے ان سے۔“ واپسی پر ماہ نور نے ثانیہ

سے کہا اس نے بھی تائید کی تھی۔

”دور اب بھی وہ سائرہ کو یونورشی کھڑا چھوڑ کر باہر نکل

گئی تھی۔“

سائرہ نے سر تھام لیا۔ یہ ضدی لڑکی جانے کیا کرتی۔

اس کا یہ رویہ یہ انداز اس پر کتنے دن بردبار رکھا

تھا۔ یہاں ابھی یہ حال تھا بعد میں جانے کیا کچھ کرتی۔

”یقیناً“ انہوں نے غلطی کی تھی تیمور صاحب کے

سامنے غدیجہ آیا کے بیٹوں کا ذکر کر کے اب جو کچھ

بھی ہوتا لازماً قصور وار ٹھہرائی جاتی تھی۔

ابھی تک اس نے سلیمان کو دیکھنے کی خواہش کا

اظہار نہیں کیا تھا۔

”اے اللہ! نریم کو ہدایت دے۔“ سائرہ بیگم نے

دل کی گہرائیوں سے دعا کی تھی۔

لید ابھی تک منہ پھلائے بیٹھا تھا۔ سلیمان کا لازم

ہوئے سمیت کھانے پینے کے مختلف لوازمات سامنے

دستی ٹیبل پر رکھ گیا تھا مگر اس نے نظر اٹھا کر نہیں

دیکھا تھا۔

”تم نے مجھے بتانا بھی گوارا نہیں کیا۔“ اس نے

تیمور بار شکایت کی۔

”مجھے خود ہاں جا کر بتا چلا۔“

”اچھا ٹھیک ہو عیس مان لیتا ہوں۔ اب پی سی میں ڈنر

کراؤ۔“ وہ بالآخر لائن پر آئی گیا۔

”ٹھیک ہے کر لیتا ڈنر بھی۔“

”میں اکیلا نہیں کروں گا۔“

”تو پھر کیا ارادہ ہے؟“

”تم اور بھابھی بھی ساتھ ہو گے میرے۔“

”یار! یہ شاید مشکل ہے۔“

”کیوں؟“ اس کے سوال پر سلیمان خاموش ہو گیا۔

کتنی عجیب بات تھی۔ اس کا ایک ان دیکھی لڑکی

تے نکاح ہو چکا تھا اور اسے ابھی تک اپنی ہی منگولہ

نے بارے میں سوائے نام کے کچھ اور بتا نہیں تھا۔

”ٹھیک ہے میں خالہ اور تیمور انکل سے اجازت

لے کر تمہیں بتاؤں گا۔“

”اس میں اجازت کی کیا ضرورت ہے۔“ ولید

جزبر ہو کر بولا۔

”صل میں یار! تیمور انکل کی میری خالہ کے ساتھ

دوسری شادی ہے اور نریم انکل کی پہلی بیوی سے

بچہ ہمارا اتنا آتا جاتا نہیں ہے نکاح بھی بہت جلدی

میں ہوا ہے۔ تیمور انکل کی طرف سے بھی چند قریبی

رشتہ دار شریک ہوئے اور ہماری طرف سے

بھی۔ اور ابھی تک میں نے نریم کو ٹھیک طرح سے

دیکھا بھی نہیں ہے۔ تو؟“ ولید اس کی ادھوری

بات کے جواب میں کچھ بھی نہ کہہ سکا تھا۔

یونورشی کے اس الگ تھلگ سے گوشے میں

ملائکہ کے ساتھ بیٹھی نریم کی سسکیاں ابھی بھی سنائی

دے رہی تھیں۔

”آئی بڑی ٹریجڈی ہو گئی تمہارے ساتھ جیسے تم

کوئی گائے بکری ہو۔“ اس ایک سو سو صدی میں

بھی۔ ”ملائکہ اس کے دکھ میں شریک تھی۔“

”تم دیکھنا میں سائرہ بیگم کی پلاننگ کا کیا حشر کرتی

ہوں۔ میں اس عورت کی چال کو اچھی طرح پہچان گئی

ہوں۔ پہلے اس نے میری مہمانی جگہ لی پھر پلاننگ کو اپنی

مٹھی میں کیا اور اب اپنے بھانجے سے نکاح کر کے

میرے پیار کو چاروں خانے چت کر کے کمزور کرنا چاہتی

ہے۔ وہ اپنے خاندان کے ذریعے مجھ سے انتقام لینا

چاہتی ہے کیونکہ میں اس کی جھوٹی محبت اور چالوسی

میں جو نہیں آئی پھر پلاننگ کی ساری جائیداد کی مالک بھی

میں ہوں۔ وہ مجھ سے یہ جائیداد ہتھیانے کے چکر میں

ہے صرف اسی کی وجہ سے پیانے مجھ پر ہاتھ اٹھایا۔ اسی

نے پاپا کو سکھایا ہو گا تب ہی وہ اتنا جلدی یہ سب کرنے پر

تیار ہو گئے۔ ورنہ وہ تو اتنی محبت کرتے ہیں مجھ سے کہ

میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ وہ مجھ سے یوں ہاتھ اٹھائیں گے۔ اتنی بے دردی سے ماریں گے۔ ”نریم کی آنکھیں رو رو کر سرخ ہو گئی تھیں۔

”جو تمہاری پروا نہیں کرتا تم بھی اس کی پروا نہ کرو اور یوں رو رو کر خود کو کمزور نہ کرو۔ اتنی فالتو نہیں ہو تم مائی ڈیئر!“ ملائکہ نے اس کے ہاتھ تمام کر بھر پور انداز میں تسلی دی تو اس کے لبوں پہ ہنسی تھکی سی مسکراہٹ آکر دم توڑ گئی۔

”اچھا تم نے سائہ آنٹی کے بھانجے کو دیکھا ہے؟“ ملائکہ نے قصداً یہ ذکر چھیڑا تھا۔

”نہیں۔ میں نے نہیں دیکھا۔“ اس نے صاف گوئی سے کام لیا۔

”ہوں“ آنٹی بتا رہی تھیں کہ پولیس ڈپارٹمنٹ میں ایک اہم پوسٹ پر ہے۔ پولیس والے تو ویسے بھی بڑے خطرناک ہوتے ہیں ایک نمبر کے کربٹ اور لوز کیریئٹر۔ حیرت ہے کہ تیمور انکل نے بھی اس رشتے پر اتنی جلدی ہاں کر دی۔ تم ٹھیک کہتی ہو کہ سائہ آنٹی نے تم سے انتقام لینے کے لیے اپنے بھانجے کے لیے تمہیں باندھا ہے۔“ وہ اس کے شک کو یقین میں بدل رہی تھی۔

”اچھا رخصتی کب تک ہوگی؟“ ملائکہ نے اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا۔

”ایگزام کے بعد۔“ نریم سر بے حس لہجے میں بولی۔

”پھر کیا سوچا ہے تم نے؟“

مجھے کیا سوچنا ہے۔ اسٹیج تو پہلے ہی تیار کیا جا چکا ہے میرے سوچنے یا نہ سوچنے سے کسی کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔“ وہ پھر سے خود ترسی کی کیفیت کا شکار ہونے لگی تھیں۔

تیمور صاحب جلدی گھر آ گئے تھے۔ فریش ہو کر باہر آئے تو سائہ چائے لیے بیٹھی تھیں۔

”نریم کہاں ہے؟“ انہوں نے پوچھا۔

”اپنے کمرے میں ہے۔ سلیمان کافون آیا تھا وہ نریم کو باہر لے جانا چاہ رہا ہے تھوڑی دیر کے لیے۔“ آپ کی اجازت سے۔“ انہوں نے پیالی میں چائے اندیل کر ان کی طرف برساتی۔

تیمور صاحب خاموش سے ہو گئے۔ سائہ کی طرح ان کو بھی بیٹی کے جارحانہ تیوروں سے اندیشہ تھا کہ وہ معاملات میں بگاڑ نہ آجائے۔

”سائہ! تم سلیمان کو تھوڑا سا سمجھا دو نریم کے بارے میں سوہ آرام آرام سے سب سمجھ جائے گی۔ میں اور کیا سختی کروں۔“ انہوں نے نگاہیں چمکائی تھیں۔

سائہ بیگم نے ٹھنڈی سانس لی۔

”میں پھر سلیمان سے کیا کہوں؟“ انہوں نے تیمور صاحب کے چہرے پر نگاہیں جمادیں۔

”چلو ٹھیک ہے، لے جائے وہ بے شک نریم کو۔ اس میں حرج ہی کیا ہے آخر کو وہ نریم کا شوہر ہے مگر۔“ مگر کے بعد انہوں نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

اس ادھوری بات کا مطلب سائہ بھی اچھی طرح سمجھتی تھیں اور انہی کی طرح پریشان تھیں کہ نریم نے کچھ الٹا سیدھا بول دیا اور جواباً ”سلیمان برواشت کر سکا اور یہ تعلق جو انہوں نے نریم کی بہتری کے لیے جوڑا ہے ٹوٹ گیا تو؟ کیونکہ نریم سے کچھ بھی بعید نہیں تھا۔ دونوں اپنی اپنی جگہ سوچوں میں گم تھے۔

چائے پی کر تیمور نریم کے کمرے میں چلے گئے۔ ٹی وی دیکھ رہی تھی۔ انہیں دیکھ کر کسی بھی قسم کے رد عمل کا اظہار نہیں کیا۔ ان کا دل کٹ سا گیا وہ غیروں کی طرح ری ایکٹ کر رہی تھی۔ وہ بھی اس کے پاس جا کر بیٹھ گئے۔

”نریم بیٹا! میرے پاس آؤ۔“ وہ سرک کر دسری سائیڈ پر چلی گئی۔

”تیار افس ہو ابھی تک؟“

”جی نہیں۔“ وہ خشک لہجے میں بولی۔ ”میں“

آپ کی ضد پوری کردی ہے آپ کو خوش ہونا چاہیے۔ "وہ ایک ایک لفظ کو جیسے کچل رہی تھی۔

"نرم! خدا آگواہ ہے کہ اس دنیا میں میں نے سب سے زیادہ تمہیں چاہا ہے اور تمہاری بہتری کے لیے ہی تمہارا نکاح سلیمان کے ساتھ کیا ہے۔ وہ اچھا مذہب نوجوان سے ریفائنڈ قسم کا۔ میں تمہارے لیے سلیمان جیسے ہی لڑکے کی تلاش میں تھا اور میری خوش قسمتی کہ وہ مجھے ساتھ کے خاندان میں ہی مل گیا۔ ساتھ خال۔ ہے اس کی اور اچھی طرح جانتی ہے اسے۔ ایک آئیڈیل لڑکا ہے سلیمان ہر لحاظ سے۔ میں نے اپنی طرف سے ایک بہترین فیصلہ کیا ہے اور بہترین شریک حیات چنا ہے تمہارے لیے۔ بلی۔ بلی تم پہ جو میرا ہاتھ اٹھا ہے اس کی جتنی توجہ جی میرے دل سے نہیں جاسکے گی نہ میرا پیچھا کروں گا۔"

وہ بولتے بولتے رک گئے کیونکہ جذبات کی شدت سے ان کا لہجہ بھرا گیا تھا۔ وہ محسوس کی تھی جیسے اس کی جگہ وہ دیواروں سے مخاطب ہوں۔

"سلیمان تمہیں باہر لے جانا چاہ رہا ہے۔ تیار ہو جانا اور میری عزت کا بھرم رکھ لینا۔" تیمور کے انداز میں ایک دبی دبی سی التجا تھی جسے محسوس کر کے نرم کے لبوں پہ زہر آلود مسکراہٹ آگئی۔

"خوب اپنی عزت اور انا کا کتنا خیال ہے اور میں تو جیسے پتھر ہوں جس پر کوئی اثر ہی نہیں ہوتا جیسے میرے جذبات ہی نہیں ہیں میں بے حس تو نہیں ہوں مٹی کی مورت تو نہیں ہوں جس پر آپ کے سم کا اثر ہی نہیں ہوتا۔ میں خوب سمجھتی ہوں کہ کیوں ساتھ بیگم نے اپنے خاندان میں مجھے پھنسا یا ہے مگر کیا! آپ کیوں نہیں سمجھتے کیوں اس کی باتوں میں آگئے ہیں۔ میری زندگی عذاب ہو جانے کی مگر کوئی نہیں سمجھتا جو میں محسوس کر رہی ہوں۔" وہ دل میں ان سے شکوہ کنایں تھی مگر لب پہ چپ کا قفل تھا۔

"سلیمان اچھا لڑکا ہے۔ ملوگی تو خود ہی اندازہ ہو جائے گا اور جو گھر رہ گئی ہے میں تمہاری شادی میں

پوری کردوں گا۔" ان کے الفاظ میں ایک باپ کے ارمان بول رہے تھے مگر بیٹی سمجھ کی حدوں سے ابھی بہت دور تھی۔

اپنی عمر گنوا دی پھر بھی بستی کے سب لوگوں نے مجھ کو یا تو پتھر سمجھا یا پھر مہم کی گڑیا!

وہی دی لاؤنج میں بیٹھی تھی۔ ساتھ نے سلیمان کا نمبر ایک کانڈ پر لکھ کر ابھی اسے دیا تھا۔ ملائکہ نے بھی سلیمان کو دیکھنے کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ اسی کی تجویز تھی کہ تمہارے ساتھ یہ زندگی ہوئی ہوگی ہے تو تم اسے صاف صاف بتا دو۔

"مجھے اس کے آفس یا گھر کا پتہ تو میں خود جا کر سب کچھ کہہ دیتی۔"

ملائکہ جوش سے بولی تو نرم نے بے اختیار اسے گلے لگا لیا۔

"تم ساتھ آنی سے ایڈریس اور فون نمبر لوں گی۔" سارا معاملہ سیٹ کرتی ہوں۔" ملائکہ نے اسے دیکھا دیا تھا۔

اور آج نرم نے ہمت کر کے فون نمبر مانگ ہی لیا تھا۔

"شاید نرم کو عقل آگئی ہے۔" ساتھ کے خوش گمان دل نے ہمیشہ کی طرح مثبت ہی سوچا۔

نرم نے ہاتھ میں پکڑے کانڈ کو دیکھا اس نے اور گھر کے نمبر کے ساتھ ساتھ موبائل کا نمبر بھی لیا اس نے سب سے پہلے موبائل پر۔ ڈائل کی گئی جو تھی بیل۔ کال ریسیو کر لی گئی۔

"السلام علیکم" ایک جیسے آواز فون سے راستے اس کی ساعتوں تک پہنچی۔ نرم سے بولا کہ نہیں گیا۔

"ایلو۔" پھر آواز ابھری تو وہ ہمت کر کے بول ہی پڑی۔

"یہ موبائل کا نمبر ہے۔" اسے بروقت یہ نام سونہ گیا۔

"ہی نہیں۔" ساتھ ہی دوسری طرف سے رابطہ قائم ہو گیا۔

وہ فون کی اسکرین کو خلل الذہنی کے عالم میں دیکھنے لگی۔ کچھ دیر بعد اس نے دوبارہ ڈائل کیا تو اس کی کارڈ ریسیو نہیں کی گئی۔ جتنی جاکر اس نے فون بستر پہ اچھل دیا۔

جس کانڈ پر فون نمبر لکھے تھے وہ بھی اس نے پڑے پڑے کر دیا۔

نویں ورشی سے واپسی۔ وہ ملائکہ کے ساتھ اس کے گھر چلی گئی۔ کافی دن ہو گئے تھے وہ اس کے اپنے گھر نہ آنے کا شکوہ کر رہی تھی آج وہ کلاسز لینے کے بعد ہی اس کا دل اجاڑ ہو گیا تھا۔ تو ملائکہ نے گھر جانے کی تجویز پیش کی۔

"گپ شب کریں گے ساتھ کوئی اچھی سی مودی دیکھیں گے۔"

"شک ہے آؤ چلتے ہیں میں وہیں سے گھر فون کروں گی کہ روشن مجھے تمہارے ہاں سے پک کر لے۔" وہ مان گئی تھی۔

حسب معمول ملائکہ کی ماما گھر نہیں تھیں۔ اسے اپنے بند روم میں لے گئی اور ملازم سے کچھ کھانے کے لیے لائے کو کہا۔

"پھر ملاقات ہوئی تمہاری اپنے شوہر سے؟" باتوں باتوں میں ملائکہ کو یاد آیا تھا۔

لوہر نرم لفظ "شوہر" سن ہی ہو گئی۔ کتنا اجنبی لفظ تھا۔ اس رشتے میں تعلق کو کتنا ہی ذہن سے جھٹکنے کی کوشش کرتی مگر ایک حقیقت تھی کہ اب یہ اس کی پہچان تھی۔

"نہیں مجھے کوئی شوق نہیں ہے ملنے کا۔" وہ تلخی سے بولی۔

"نرم ڈیر! تمہیں شوق ہو یا نہ ہو ملنے کا۔" اگر مزے کے بعد تمہاری اس کے ساتھ رخصتی ہو جائے گی۔" ملائکہ نے آئینہ دکھایا تو وہ چمک کر بولی۔

"کون کروانے مار رخصتی۔"

"تم اور کون؟"

"میں رخصتی نہیں کروں گی۔"

"انکار کر دو گی؟"

"بس یوں ہی سمجھ لو۔"

"صاف صاف کھل کے کہنا۔"

"تم اگر میرا ساتھ دو تو بات بن سکتی ہے۔" وہ اس کا ہاتھ تھام کے لجاجت سے بولی۔ "تم ایک اور ایڈو پھر بھی تو کرنا چاہتی ہو۔"

"ہاں وہ تو ہے۔" ملائکہ نے تائید کی۔

"تو مجھے کڈنیپ کر لو۔"

"تم ہوش میں ہو۔" ملائکہ حیران رہ گئی۔

"میں سوچ سمجھ کہہ رہی ہوں۔ کیونکہ کسی اغوا کی ہوئی لڑکی کو کوئی بھی اپنی عزت نہیں دیتا۔" وہ یوں بے خوفی سے کہہ رہی تھی جیسے اس کی جگہ کسی اور کڈ کر ہو رہا ہو۔

"اگر تیمور انکل کو خبر ہو گئی تو۔" ملائکہ تیزی سے سوچ رہی تھی۔

"نہیں پتا چلتا یا ر! پہلے بھی تو کسی کو خبر نہیں ہوئی تھی۔"

"مگر میں تمہیں کہاں رکھوں گی کیونکہ اب انیکسی خالی نہیں ہے۔"

"کیا اور کوئی جگہ نہیں ہے؟"

"ہے تو سہی مگر شاید تم پسند نہ کرو۔"

"بتاؤ تو سہی۔"

"یار! ارمان کا کوئی دوست ہے اس کا فلیٹ خالی ہے اور چابی ارمان کے پاس ہے۔" ملائکہ نے بتایا تو وہ سوچ میں ڈوب گئی۔

"رہسک لیا پڑے گا۔" پھر آہستہ سے بولی تھی۔

بے خبری

ارمان کا چہرہ خوشی سے چمک رہا تھا۔ ملائکہ نے ابھی جو کچھ بتایا تھا اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔
"بس چند دن نرم کو اوھر رکھنا پڑے گا۔"
"صرف رکھنا ہی پڑے گا کہ؟" ارمان نے معنی خیز انداز میں بات اوھوری چھوڑ دی وہ ملائکہ کی مرضی بھی جانتا چاہ رہا تھا۔
"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ ایسے مفت میں ہی ہم رہسک لے لیں۔" وہ تیز سمجھے میں بولا۔
"نرم کو رکھنے کا تاوان نہیں لیں گے کیا؟ آخر کو تو مولیٰ آسانی ہے۔ اکلوتی اولاد ہے اپنے باپ کی۔ لاکھوں روپے آسانی سے مل جائیں گے نہیں۔"
"مگر نرم شاید اس بات کو پسند نہ کرے اگر ہم نے تاوان کی ضمانت کی تو۔"

"تو اس کے گھر والوں کو پتا کیسے چلے گا کہ وہ کھنپ ہو گئی ہے۔ بھلا کوئی کسی کو کیوں اغوا کرے گا۔ پاگل تو نہیں ہو تم۔"
"چھاپلو ٹھیک ہے۔ تاوان بھی مل جائے گا۔"
"یہ ہوئی نہ بات۔" اب وہ خوش نظر آ رہا تھا۔
"تو پھر میں نرم سے کیا کہوں؟"

"ایک دو دن تک بتاؤں گا سب انتظام کر کے۔" ارمان سر مستی کے عالم میں سیٹی پہ شوخ سی دھن بجا رہا تھا۔
"ارمان! تم کب بات کرو گے اپنی ماما سے۔"

ملائکہ کو کچھ یاد آ گیا تھا۔
"بہت جلد ڈیر ڈونٹ وری۔ تمہاری فرینڈ والا

معاہدہ ٹھیک ہو جائے تو میں ماما کو لے کر آؤں گا جلد ہی۔" بیش کی طرح ارمان نے یہی کہا تو وہ پھر مطمئن ہو گئی۔
یوکرام کے مطابق نرم کو سب سے پہلے اپنا سیل

فون آف کرنا تھا۔ تیمور صاحب کو روشن گھر جا کر فون کی چھوٹی بی بی یونیورسٹی میں نہیں ہیں۔ تب ان کے سیل فون پہ کال کی جاتی جو یوکرام کے مطابق ہوتا۔ کچھ اور وقت گزر تا تو نرم کے پاس اس کی پوری سے پوچھتے ہر ممکن جگہ پر اسے تلاش کیا جاتا جہاں ان کے پائے جانے کے امکانات ہوتے۔ اس دوران ارمان خالصاً ماتم ہو جاتا رات گزر جاتی جو تیمور اور سارا کانونوں پر بسر کرتے۔

پھر اگلے روز تیمور کو کال کی جاتی۔ نرم کی گولڈ سٹوائی جاتی اور پھر ایک بھاری رقم کا مطالبہ کیا جاتا۔ رقم کا انتظام کرنے میں کچھ تاخیر تو لگ ہی جاتا شاید ایک دو دن۔ اس کے بعد رقم وصول کرنے کے بعد نرم کو چھوڑ دیا جاتا۔

مگر اس کے ساتھ ساتھ ارمان کچھ اور بھی سوچتا تھا۔ جو ملائکہ کو پتا نہیں تھا۔ ارمان کو نرم شروع سے ہی پسند تھی مگر جانے کیوں وہ اسے لفت نہیں کرتی تھی حالانکہ وہ اپنے ڈیپارٹمنٹ سے صرف اسی کو رہنے آتا تھا۔ اسی دوران ملائکہ سے بھی اس کی دوستی ہوئی جو نرم کی قریبی دوست تھی۔ تب ہی نرم کے گھر اور ملائکہ کے بارے میں جو ڈشرب تھی۔
ملائکہ دن بہ دن ارمان کے قریب آتی جا رہی تھی۔ دونوں کی فطرت ایک سی تھی۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ ملائکہ متاثر نہ ہوتی۔

جب ملائکہ نے یہ روح فرسا خبر سنا لی کہ نرم نکاح ہو گیا ہے۔ بعد کی کہانی تو اسے جان ہی چکا تھا۔ اسے کیا چاہیے تھا۔ اس کے دوست کا لیتا تھا چند دن نرم کو با آسانی وہاں رکھا جاسکتا تھا۔ اور ان کی قربت سے فیض بھی اٹھایا جاسکتا تھا۔ ارمان سوچ لیا تھا کہ کیسے یہ سب کرنا ہے۔ بس ملائکہ فلیٹ سے چند گھنٹے دور رکھنا تھا۔ باقی پورا مشن فلیٹ تھا۔

بے خبری

مدین گاڑی اشارت کیے اسی کے انتظار میں تھا۔ نرم نے بڑی حسرت سے گھر کے دروازے کو دیکھا۔ وہاں ایک ہوٹ سی انھی۔ آج بھی اس نے ناشتہ کرنے میں ہی منگوایا تھا۔ گاڑی گیٹ سے باہر نکلی تو اس کا دل۔ ایاں میں پھر پھڑانے لگا دل دھلنے کی کھش جاری تھی۔

یونیورسٹی میں پہنچنے کے دس منٹ بعد ہی ملائکہ نے اسے اپنے کا اشارہ کیا۔ ان کے درمیان یہ طے ہوا تھا کہ پہلے ملائکہ اور ارمان اکٹھے ٹکس لیں گے اور اس کے بعد نرم ٹیکسی میں بتائی گئی مطلوبہ جگہ پہنچے گی تاکہ کسی کو بھی شک نہ ہو۔

نرم کو یونیورسٹی سے نکلنے کے چند منٹ بعد ہی خالی ٹیکسی مل گئی۔ ٹھیک پندرہ منٹ بعد ٹیکسی والے نے اسے اس کے بتائے ہوئے گھر کے سامنے اتار دیا۔ اگر ایہ دے کر ٹیکسی والے کو فارغ کر کے نرم نے ملائکہ کو فون کر کے اپنے پہنچنے کی اطلاع دی تو اس نے خاموشی سے فلیٹ نمبر بتا کر اوپر آنے کو کہا۔

چند منٹ بعد ارمان نے دروازہ کھولا۔ "ملائکہ کہاں ہے؟" اسے نہ پا کر پہلا سوال اس کے لیوں پہ آیا۔
"تھوڑی دیر کے لیے گھر گئی ہے ابھی آئی ہوگی۔"
دروازے والی سے بولا تو نرم کی چٹھی جس نے گویا خطرے کی گھنٹی بجائی۔

"ہیٹھو میں کالی بنا کر لاتا ہوں۔" ارمان مطمئن تھا۔ ابھی بہت وقت تھا اپنے دل کے ارمان پورے کرنے کے لیے مگر نرم مطمئن نہیں تھی۔

جوئی وہ کچن میں گیا۔ نرم داخل دروازے پہ پہنچ گئی۔ دروازے میں چالی گئی ہوئی تھی وہ کھول کر باہر نکل آئی۔ بیڑھیاں اتر کر وہ نیچے آگئی اور موبائل آن کر لیا جو یونیورسٹی پہنچنے کے بعد اس نے آف کر دیا تھا۔ دل کو سکون نہیں مل رہا تھا۔ مگر موبائل کچھ دیر بعد تھک ہو گیا کیونکہ اس نے کل سے اسے ری چارج

نہیں کیا تھا پاس سے ایک رکشہ گزر رہا تھا اس نے ہاتھ دے کر روکا اور گھر کا پتا سمجھانے کے بعد بیٹھ گئی۔ ایسا اس نے کیوں کیا تھا وہ خود بھی جاننے سے قاصر تھی۔

رکشہ والا اسے گھر کے سامنے اتار کر چلا گیا۔ جوئی وہ گیٹ سے اندر داخل ہوئی کریم بخش سے سامنا ہوا جس کے چہرے پہ ہوائیاں اڑ رہی تھیں پاس ہی ساجدہ بھی کھڑی تھی۔ پور ٹیکو میں کوئی بھی گاڑی نظر نہیں آ رہی تھی۔

"کیا ہوا ہے؟" اس کا مخاطب کریم بخش تھا۔
"بی بی جی! صاحب کی طبیعت اچانک صبح آفس جاتے ہی بگڑ گئی۔ بیگم صاحبہ نے آپ کے نمبر پر بار بار فون کیا مگر آپ کا نمبر بند تھا۔ پھر بیگم صاحب نے سلیمان صاحب کو فون کیا وہ آئے اور صاحب کو اسپتال لے گئے۔"

"کیا ہوا پاپا کو؟" کریم بخش بتا ہی رہا تھا کہ وہ چیخ پڑی۔

"چم نہیں مگر ان کی حالت بہت خراب تھی اپنا سینہ مسل رہتے تھے۔" یہ ساجدہ تھی۔

"کون سے اسپتال میں پاپا کو لے کر گئے ہیں؟"

آنسو بے اختیار آنکھوں سے ابل پڑے تھے۔
"پتا نہیں چھوٹی بی بی! آپ فون کر کے پوچھ لیں۔" ساجدہ نے مشورہ دیا۔ جلدی جلدی اس نے سارا کا نمبر ڈائل کیا اور اسپتال کا پتا معلوم کیا۔

نرم انہی قدموں گیٹ سے باہر نکلی۔ کریم بخش اس کے ساتھ تھا۔

بے خبری

تیز تیز قدموں سے چلتی پھولی ہوئی سانسوں کے ساتھ استقبال پہ پہنچی نرس سے اس نے تیمور ملک کے بارے میں معلوم کیا اور پھر بتائے گئے وارڈ کی طرف برہہ گئی۔ وہ آئی سی یو میں تھے کریم بخش بھی اس کے ساتھ ہی چل رہا تھا۔

شہر کا ایک معیاری اور منجگہ پر نیوٹ اسپتال تھا۔
 روم نمبر 27 کے باہر سائہ اور ثروت پھوپھو دور سے
 ہی نظر آئیں۔ سائہ بیگم کی سرخ آنکھیں اس بات کا
 غماز تھیں کہ وہ روتی رہی ہیں۔ ثروت پھوپھو بھی از
 حد پریشان تھیں۔

”کیا ہوا ہے پیپا کو؟“ وہ دوڑ کر ان کے پاس پہنچی
 تھی۔

”ہارٹ اٹیک ہوا ہے۔“ ثروت کچھ کہتے کہتے
 رک گئیں۔

”اب جھیک ہیں تیمور پہلے سے۔“ آنکھیں پونچھ
 کر سائہ بیگم نے اسے تسلی دی۔ مگر نرم کو چین کہاں
 تھا۔

”اب کہاں ہیں پیپا؟“
 ”اندر ہیں فی الحال انہیں دیکھنے اور ملنے کی اجازت
 نہیں ہے۔ ان کی صحت کے لیے یہ مناسب نہیں
 ہے۔“

شام ہو گئی رات سربراگئی مگر وہ ابھی تک باپ کی
 ایک جھلک بھی نہ دیکھ پائی تھی۔
 سائہ نے سمجھا بجھا کر ثروت کے ساتھ نرم کو گھر
 بھیج دیا۔

سلیمان صبح سے بھاگ دوڑ کر رہا تھا۔ تیمور صاحب
 کے باقی رشتہ دار دوسرے شہروں میں مقیم تھے ایسے
 میں سلیمان کا دم غنیمت تھا۔ ڈاکٹر عثمانی سے تیمور
 صاحب کی طبیعت کا پوچھ کر وہ سائہ بیگم کی طرف آیا جو
 اسی کا انتظار کر رہی تھیں۔

”خالہ! آئیں آپ کو گھر چھوڑ آؤں انکل رات کو
 بھی آئی سی یو میں ہی رہیں گے۔ کل ہو سکتا ہے کہ
 روم میں شفٹ کر دیں۔ ایسے میں آپ کا یہاں رکنا
 بے کار ہے۔ میں نے ولید کو بھی فون کر دیا ہے وہ
 آجائے گا کچھ دیر تک۔ میں اور وہ ادھر ہی ہوں گے
 اسپتال میں۔ ماما کا بھی فون آیا تھا پیپا کے ساتھ کل
 آرہی ہیں۔“ سلیمان نے ان کے شانے پر اپنا بازو دراز
 کر کے خود سے قریب کر لیا۔

وہ ایک بیٹے کی طرح تسلی دے رہا تھا۔ سائہ کو یوں

لگ رہا تھا جیسے سلیمان کو ان کی نظریں لگ جائے گی۔
 انہوں نے دل ہی دل میں اسے نظرد سے بچنے کی
 پورے خلوص سے دی۔

”میں آپ کو ڈراپ کر آتا ہوں۔“ ولید اسپتال
 پہنچا تو سلیمان انہیں گھر چھوڑنے چلا گیا اور گیسٹ
 ہی واپس ہو لیا۔

بہار ۱۴۲۰ھ

دوسرا روز بھی گزر گیا۔ تیمور صاحب کی حالت
 ہی تھی۔ جسم کے بائیں حصے پہ فالج کے اٹیک نے
 کی حالت کو سیریس بنادیا تھا۔

خدیجہ اور عثمان صاحب بھی لاہور سے آگئے تھے
 روتی سسکتی نرم کو خدیجہ نے ساتھ لگا کر تسلی دینی تو
 شاید پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ سائہ کے کسی رشتہ دار کے
 لیے اس کے دل میں نفرت نہیں ابھری۔

اسے اعتراف کرنا پڑا کہ سائہ بیگم کی بہن اتنی
 بری نہیں ہیں۔ تیسرے روز تیمور صاحب کو روم میں
 شفٹ کر دیا گیا۔ ان کی حالت پہلے سے بہتر تھی۔ اب
 سب گھر والوں کو تیمور سے ملنے کی اجازت تھی۔ سائہ
 سائہ بیگم اور ثروت پھوپھو کے ساتھ نرم بھی روم

میں داخل ہوئی جس میں تیمور کو کچھ دیر پہلے
 گیا تھا۔ سلیمان ان کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔

”پیپا! آپ جھیک ہیں ناں۔“ وہ بے تابی سے
 ہوئے بیڈ پہ لیٹے تیمور صاحب پہ جھک گئی اور ان کے
 ماتھے اپنے ہونٹ رکھ دیئے۔

آنکھ میں آئے آنسوؤں کو اس نے بمشکل
 تیمور صاحب دواؤں اور انجکشن کی وجہ سے
 میں تھے۔ وہ بہت جذباتی ہو رہی تھی۔ سلیمان
 آہستگی سے اس کا بازو پکڑ کر تیمور انکل کے
 اے رے کیا۔

”پلیز ٹیک اٹ ایزی۔“ وہ غصے سے پٹی
 اس پر نظر پڑی تو آنکھیں حیرت سے پھیل
 کھل گئے کچھ بے معنی سے الفاظ بھی لبوں کی
 سے آزاد ہو گئے۔

اس چہرے کو وہ تبھی نہیں بھول سکتی تھی۔ اس اثناء میں سائہ بیگم بھی بیڈ کے قریب پہنچ گئی تھیں۔
 ”سلیمان! کیسی طبیعت ہے اب ان کی۔“ سائہ بیگم نے پوچھا۔ نرم کے چہرے پہ ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ گھر سے باہر نکل آئی۔

مدد شکر کہ سب تیمور صاحب کی طرف متوجہ تھے کوئی بھی اسے نہیں دیکھ رہا تھا۔ مگر یہ صرف اس کی غلط فہمی تھی۔ جس نے دیکھا تھا کہ لیا تھا اور اچھی طرح دیکھا تھا۔ طویل راہداری کے آخری سرے تک آکا دکا لوگ ہی نظر آرہے تھے۔ نرم دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی۔

”یہ سونی صدوی تھا بالکل وہی جس کی آنکھوں پہ اس نے اپنے ہاتھوں سے کپڑا باندھا تھا اور جس نے اس کے لبوں پر ہاتھ رکھا تھا۔ لوہے کے ڈھکن جیسا مضبوط ہاتھ۔ تو یہ تھا سلیمان۔“

”مگر اس نے مجھے پہچان لیا اور پاپا کو پتا چل گیا تو؟“ پہلے ہی ان کی طبیعت خراب ہے یہ سن کر تو برداشت نہیں کر سکیں گے۔

اور آج جو حماقت میں کرنے چلی تھی۔ ان اگر میں اس وقت اس فلیٹ میں ہوتی تو۔“ اسے آگے کی سوچنے سے لرزادیا۔

باہر کھڑے کھڑے اسے پندرہ منٹ سے زیادہ ہو گئے تھے اگر وہ اسی طرح باہر رہتی تو جانے کیا سوچا جاتا۔ سول کو مضبوط کر لی اللہ سے مدد مانگتی وہ دوبارہ اندر آئی۔

تیمور صاحب اسی طرح غنورگی میں تھے۔ سلیمان خدیجہ کے پاس بیٹھا تھا۔ وہ آہستہ آواز میں باتیں کر رہے تھے۔

”نرم بیٹا! میرے پاس آکر بیٹھو۔“ اسے دروازے کے پاس پریشان سا کھڑا دیکھ کر خدیجہ نے اپنے پاس بلا لیا۔

کوئی راہ فرار نہ تھی۔ وہ مرے مرے قدموں سے ان کے پاس آکر بیٹھ گئی۔

”تیمور بھائی ٹھیک ہو جائیں گے تم دعا کرو ان کے لیے اور پریشان نہ ہو۔“ وہ کیسے پریشان نہ ہوتی اس کی پریشانی کے سامنے خدیجہ کے الفاظ اہمیت نہیں رکھتے تھے۔

وہ چپ چپ سی تھی۔ خدیجہ درمیان سے ان کے سلیمان نے بھرپور نگاہوں سے اس کا جائزہ لیا۔ اب تک اس کے کسی بھی رویے سے یہ ظاہر نہیں ہوا تھا کہ وہ اسے پہچان گیا ہے یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ وہ پہچانتا۔ اگر وہ اسے پہچان گیا ہے تو اظہار کیوں نہیں کر رہا ہے۔

جانے کیا گورکھ دھندا تھا اسے کچھ سمجھ نہیں آتا تھا۔
 ”ٹھیک ہے پہچانتا ہے تو پہچان جائے میں سہل کر جاؤں گی ایسی کسی بات پہ۔“ نرم نے اپنی انی ہنس دھرنی سے سوچا اور مطمئن ہو گئی۔

تیمور صاحب کی طبیعت آہستہ آہستہ سنبھل رہی تھی ڈاکٹرز کی بھرپور توجہ اور بہترین علاج کے ساتھ جیسی شریک حیات کی محبت نے بھی ان کی طبیعت کے سنبھلنے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔

ایک ماہ سے زیادہ وہ اسپتال میں رہے تھے۔ ڈاکٹر نے بیدار رہنے کا کہا تھا ان کے جسم کا بائیں حصہ بالکل پوری طرح کالم کرنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ خود سے حرکت دے سکتے تھے فالج کا اثر ان پر بھی تھا۔ وہ جو کچھ کہتے تھے پوری طرح نرم کی سمجھ میں نہیں آتا تھا۔

اس دوران اس نے یونیورسٹی سے بہت سی چھٹیاں کی تھیں۔ جانے کیا بات تھی اسے اور ان ملائکہ کا سامنا کرنے سے خوف آنے لگا تھا۔ وہ کچھ دور ان تین چار بار ہی یونیورسٹی گئی اس دوران ان کی توجہ ہی نظر نہیں آتی ملائکہ کے بارے میں کچھ فیملی کے ساتھ کراچی گئی ہے۔

اس نے شکر ادا کیا۔ ملائکہ تو پھر بھی اس کی زندگی میں نہیں آئے۔

ڈاکٹر نائل نے رپورٹ ان کے سامنے رکھ دی۔

ڈاکٹر نائل نے رپورٹ ان کے سامنے رکھ دی۔

نرم عماران کا خوف دل میں کنڈلی مارے بیٹھا تھا۔ حیرت کی بات تھی اس ایک مہینے میں ایک بار بھی ملائکہ نے اسے رابطہ نہیں کیا تھا۔ رہی نرم تو اس میں اتنی بات تھیں تھی کہ وہ فون کرتی یا اس کے گھر آتی۔

آج کل یونیورسٹی بند تھی اگلے مہینے سے آگے اس سے تو پڑھا بھی نہیں جا رہا تھا۔ ادھر میں تیم کی طبیعت بھی خراب تھی۔ تیمور صاحب کے اسپتال ایڈمٹ ہونے سے پہلے ہی ان کی طبیعت گری گری رہے تھے۔ پھر پورا ماہ تیمور صاحب ایڈمٹ رہے تو وقتی طور پر انہیں اپنا آپ بھول ہی گیا۔

تیمور صاحب کو گھر آئے پانچواں روز تھا۔ ایک کل وقتی میل نرس ہر وقت ان کے پاس رہتا تھا۔ باقی ہر قسم کی ضرورت کا خیال سائہ خود ہی رکھتی تھیں۔

دیر کا وقت تھا وہ خود ساجدہ کے ساتھ کچن میں بیٹھیں اور تیمور صاحب کے لیے سوپ بنا رہی تھیں جب سوپ بنا کر وہ شیشے کے باؤل میں ڈالنے لگیں تو بڑے زور کا چکر آیا سائہ وہیں ڈھیر ہو گئیں۔

سائہ نے شور مچادیا۔ نرم کے ساتھ باقی ملازم بھی ہمارے آئے سائہ بڑی مشکل سے چل کر بیڈ تک پہنچیں۔

نرم زندگی میں پہلی بار ان کے لیے پریشان ہوئی۔ اس نے فیملی ڈاکٹر کو فون کر دیا۔

ڈاکٹر سجاد جب اپنا میڈیکل بیگ لے کر گاڑی سے اترے تو سائہ بیگم نڈھال سے انداز سے لپٹی ہوئی تھیں۔ ڈاکٹر سجاد نے چیک اپ کیا۔

نرم کی بات نہیں ہے سسر تیمور! اچھی طرح دیکھیں اور ہو سکے تو آج ہی کلیک۔ آکریسٹ ڈیو اوکس والا نسخہ ان کے حوالے کر کے دے دیں۔

ڈاکٹر نائل نے رپورٹ ان کے سامنے رکھ دی۔

لفظ پوزیٹو ان کا منہ چڑھا رہا تھا۔ آج شادی کے چودہ سال بعد یوں لگ رہا تھا کہ جیسے انہوں نے کوئی جرم کر دیا ہے۔

رات کو سائہ بیگم نے خود فون کر کے خدیجہ کو اپنی پریشانی سے آگاہ کیا۔

”کیسی ناشکری ہو تم۔ اللہ نے اتنی بڑی خوشی سے نوازا ہے اور تم ہو کہ ناشکری اور کفران نعمت کر رہی ہو۔ شکرانے کے نوافل پڑھو۔ میں ایک دو دن تک اسلام آباد آؤں گی سوچ رہی ہوں کہ نرم کی چوڑی اور انگوٹھی کا ٹاپ لے لوں۔ تم اپنا خیال رکھو تیمور کو دیکھو اس کے سامنے یوں ری ایکٹ کرو گی تو کیا بنے گا اس کا؟ سر کا سامنے ہے وہ تمہارا۔ ابھی تک بتایا ہے اسے کہ نہیں؟“ خدیجہ کو بردقت بلوایا تو پوچھ بیٹھیں۔

”نہیں آپا!“ وہ مجرموں کی طرح بولیں تو خدیجہ اس کی حماقت پہ سرپیٹ کر رہ گئیں۔

”جاؤ بتاؤ اسے۔ خوش ہو گا وہ۔ شاید یہ خوشی اس کی بیماری پہ مثبت اثر ڈالے۔ اللہ نے بڑا رحم کیا ہے تم پہ اور تم ہو کہ۔“ انہوں نے ان کی اچھی خاصی کلاس لے ڈالی تھی۔

فون بند کر کے وہ اپنے کمرے میں چلی آئیں۔ نرم باپ کے پاس ہی بیٹھی تھی۔ ان کا ہاتھ ہاتھوں میں لیے آہستہ آہستہ آواز میں ان سے بات کر رہی تھی۔

”بیٹا! آپ جلدی ٹھیک ہو جائیں گے پھر ہم ایک بڑی پارٹی کریں گے اور ہاں میں آپ کو لانگ ڈرائیو پہ بھی لے جاؤں گی۔“ ان کے ہونٹوں پہ ایک روشن مسکراہٹ چمکی انہوں نے اپنے دائیں ہاتھ سے اس کا سر نیچے کیا اور اس کا ہاتھ چوم لیا۔

”بیٹا! آپ نے مجھے معاف کر دیا ہے ناں!“ نرم نے ان کے دونوں ہاتھ تھام لیے تھے۔ ”بیٹا آئی لو یو سو“

”جی“ نرمی۔ جذبات کی شدت سے اس کی آواز بھرا گئی۔

”خوب لاؤ ہو رہے ہیں باپ بیٹی میں۔“ سائہ بیگم بھی دوسری چیز اٹھا کر پاس بیٹھ گئیں۔

بہ دن ان کی حالت بہتر ہو رہی تھی۔ وہ سائہ اور نرم کو یوں پاس پاس بیٹھا دیکھ کر بہت خوش تھے آج نرم سائہ کی موجودگی وہاں سے انہی نہیں تھی۔ نرم کیلئے ساری تھی۔ یونیورسٹی میں ہونے والے دلچسپ واقعات جن پر وہ مسکراتے تھے کافی مایوس ہو چکا تھا نرم ان کے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر گڈناٹ کہہ کر ان کے پاس سے انہی تب سائہ نے انہیں جھپکے۔

سوئے بتایا۔ خوشی کی شدت سے تیمور کے لب پھر پھڑپھڑائے اور آنکھیں نم ہو گئیں۔



خدیجہ ریان کے ساتھ آئی ہوئی تھیں۔ نرم کا ارادہ تھا وہ سلام کر کے اپنے کمرے میں آجائے گی مگر ریان نے اٹھنے ہی نہیں دیا۔ وہ اتنا ہنسوا اور زندہ بول تھا کہ نرم کے دل سے وہ کدورت کم ہونے لگی تھی جو سائہ بیگم کے رشتہ داروں کے حوالے سے اس کے دل میں برسوں سے تھی۔

ریان کو نرم بہت زیادہ اچھی لگی تھی۔ اس نے نرم کا فون نمبر بھی لے لیا تھا۔
”میں لاہور جا کر فون کرتا رہوں گا تاکہ آپ کو میری کمی کا احساس نہ ہو۔“ وہ یوں بول رہا تھا جیسے برسوں سے اسے جانتا ہو۔

”ویسے سلیمان بھائی آپ کو کیسے لگے؟“ اس نے اترہ اور خدیجہ کے سامنے ڈائریکٹ سوال کر دیا تو وہ دوس ہو گئی۔ اسے کوئی جواب ہی نہیں بن پڑا۔

”ریان! بسن کو تنگ نہ کرو۔ انسان بنو۔“ انہوں نے قنبلہ کی نظروں سے اسے دیکھا۔

”بسن بھی کہتی ہیں ممالور اوپر سے یہ بھی کہتی ہیں کہ تنگ نہ کروں یہ کیسے ممکن ہے۔“

”ریان چپ ہوتے ہو کہ نہیں۔“
”ممائیک اٹ ایزی۔ میں انکل کے پاس جا رہا ہوں۔“ وہ ماما کے تیمور دیکھ کر کھسک گیا۔

”اب کیسی طبیعت ہے تمہاری سائہ۔“ ریان کے

جانے کے بعد وہ بسن کی طرف متوجہ ہوئیں۔
”میں بسن لے رہی ہوں باقاعدگی سے۔“

”زیادہ سے زیادہ ریٹ کیا کرو۔ اس حالت میں خوش رہا کرو میں ایک بچے کی پینٹنگ بھی الٹی کر دے اپنے بیڈ روم میں لگا لینا اچھا رہے گا۔ میری دعا ہے کہ اللہ تمہیں صحت مند اولاد سے نوازے۔“ نرم نے ہاتھ باری دونوں کو دیکھے جارہی تھی۔

”نرم کو بھی کوئی بسن یا بھائی مل جائے گا۔ اچھا نہیں ہاں اکیلی نہیں رہے گی۔ کوئی دکھ درد بانٹنے والا اپنا بھائی بھائی بھی تو ہونا چاہیے۔“ اب ساری بات اس کی

میں آگئی تھی۔
”ایا کی بیماری کی وجہ سے سائہ بیگم کے لیے جو مصلحت کے پیش نظر اس کے دل میں آئی تھی اسے اچانک ختم ہو گئی۔ اب وہ ہی پرانی نرم تھی فرشتہ گرد مہر سے بھری۔

اپنے کمرے میں آکر وہ غصے سے ٹپ رہی تھی۔
”اس عمر میں سائہ بیگم کو ماں بننے کا خیال آیا ہے ذرا شرم نہیں آئی اس عورت کو۔ سب جان لیں میں کہ یہ پاپا کی جائیداد ہتھیانے کا منصوبہ ہے۔“

کی طرح وہ لٹائی سوچ رہی تھی۔
جانتے جانتے خدیجہ نے نرم کو سائہ بیگم کا خیال رکھنے کو کہا تھا۔ وہ موقع کا انتظار کر رہی تھی۔ چیک اپ کے لیے جانا تھا کیونکہ سلیمان بھی تھا۔ کافی دیر ہو گئی تھی اس کا خیال تھا یقیناً وہ

ہیں۔
لیونگ روم کے پاس سے گزرتے ہوئے اس کی جھٹک نظر آئی تو سب کچھ یاد آگیا۔ اس نے دروازے کو پاؤں سے ٹھوکر مار کر کھولا۔ سائہ بیگم

پلیٹیں۔
”بہت خوب سائہ بیگم! اب یہ نیا طریقہ دیکھو تم نے مجھے ہر آلے کا۔ مگر یاد رکھنا مجھے تم سے تمہارے ہونے والے بچے سے کوئی دلچسپی نہیں اس عمر میں ملے گی۔ شرم آتی جا رہی ہے۔“
کیوں خیال رکھوں تمہارا۔ جاؤ پاپا کو یہ

مٹا ہونے والی نہیں ہوں۔ مائی فٹ۔“ انہی قدموں پر اپنا سارا زہراں پرائیڈ کے تن فن کرتی چلی گئی۔
سائہ کی آنکھوں میں ممکن پاپا بھر گیا۔ کھڑکی کے پنجرے سے سوئے۔ بیٹا سلیمان ایک ایک لفظ سن کاٹا۔ اور سب سن کر اس نے اپنا غصہ کیسے ضبط کیا

نرم کے نہیں آئی تھی ورنہ ضرور اسے دیکھ

”خالہ! چپ ہو جائیں پلیز۔“ سلیمان انہیں زارو قطار روٹا دیکھ کر بہت پریشان تھا۔

غصے سے لال ہوئی آنکھیں اس کے ضبط کی دلیل تھیں وہ سلیمان کے کندھے پر سر رکھ کر رو رہیں۔ کتنے ماہوں کے دبے دکھ تھے۔ سلیمان نے انہیں گل کر روئے دیا تھا۔



اکرامز شروع ہو چکے تھے پہلے چپ والے دن ملائکہ نے اسے پکڑ ہی لیا اور کتنی دیر اسے تیر نظروں سے گھورتی رہی۔

”بہت اچھا کیا تم نے میرے ساتھ اور وہ ارمان اس نے ملنے دے دے کر میرا برا حال کر دیا ہے کہ دیکھو تمہاری بیسٹ فرینڈ نے کیسا ہاتھ دکھایا ہے نہیں۔ کیوں عتاب ہوئی تھیں تم وہاں سے اس طنز۔“
بابر تو سوالات سے وہ گھبرا گئی۔

”ملائکہ! پاپا کی طبیعت بہت خراب ہے۔ تم نے کون سا ایک روز بھی مجھ سے پوچھا کہ زندہ ہو کہ مرنے میں بہت پریشان ہوں۔ تم اس روز فلیٹ میں نہیں آئی۔“
”میں تو میرے دل نے کہا کہ یہاں سے نکل جاؤ۔ پتا نہیں کیوں مجھے ارمان کی نگاہیں بہت بری لگتی ہیں۔“
”کیا تھا کچھ کہ میں نکل آئی وہاں سے تمہیں بتائے۔“
”نرم پہلے کے مقابلے میں بہت کمزور لگ رہی۔“

”ارمان نے بعد میں مجھ سے بہت غصہ کیا میری اس کے ساتھ اس وجہ سے لڑائی بھی ہوئی۔ میں جیسے ہی

فلیٹ پہنچی اس نے کہا کہ میں یونیورسٹی واپس چلی جاؤں تاکہ تنگ نہ ہو کسی کو۔ اس لیے میں چلی گئی تھی۔ اب کب ارادہ ہے کڈنپ ہونے کا؟“ آخر میں وہ شوخی سے بولی تو نرم کو بہت برا لگا۔ ”اس نے ایک بار بھی پاپا کی طبیعت کا نہیں پوچھا تھا۔“

”اب میرا کوئی ارادہ نہیں ہے ایسا کیونکہ اگر کمزور کے بعد میری شادی ہے۔“ نرم ایک لمحے میں صدیوں کی بیمار نظر آنے لگی تھی۔

”میرا نکاح اسی لڑکے کے ساتھ ہوا ہے جس کو تم نے ایڈوکیٹ اور فن کا نام دیا تھا۔“

”سچ کہہ رہی ہو۔“ ملائکہ کو یقین نہیں آ رہا تھا۔ ”اس نے پہچان لیا ہے تمہیں؟“
”بظاہر ایسا لگتا تو نہیں ہے۔“

”یہ تو اچھی بات نہیں ہے۔ کل کو ہمارے لیے پراجیکٹ کری ایٹ ہو سکتی ہے۔“ ملائکہ پریشان ہو گئی تھی۔ ”تم اسے بتاؤ گی تو نہیں؟“ اس نے احمقانہ سوال کیا۔

”میں نے ہٹا کر پھنسا نہیں ہے۔ پتا نہیں کیا ہو گا۔ اس نے مجھے نہیں پہچانا ہے ورنہ خاموش نہ رہتا اور میں کیوں ڈروں ایسا کیا کیا ہے میں نے۔“ آخر میں وہ ہنس دھری سے بولی۔

”ملائکہ! پاپا کی طبیعت بہت خراب ہے میں نے اسے روز دل کا کھانا دیا تھا اور وہاں سے نکل آئی تھی۔ اسی روز صبح کے وقت پاپا کی طبیعت خراب ہوئی تھی۔ مجھے نہیں پتا تھا کیونکہ سیل فون میں نے آف کر دیا تھا۔ تم اگر فلیٹ پہنچتے تو شاید میں وہاں سے نہ آتی۔ یہ بھی میری خوش قسمتی ہے کہ تم وہاں نہیں تھیں۔ تمہیں برا لگے گا مگر میں اپنی فیلنگز تم سے شیئر کرنا چاہوں گی ارمان کے بارے میں کہ اس کی نگاہوں میں وفا نہیں ہے وہ جب بھی میری طرف دیکھتا ہے یوں لگتا ہے کہ۔“ اس نے بولتے بولتے جملہ لوہور اچھوڑ دیا۔ ”ملائکہ کبھی تم نے لوگوں کی باتیں سنی ہیں جو وہ ارمان کے بارے میں کہتے ہیں۔ میری مائو تو اس سے فرزند شپ ختم کر دے وہ مجھ کو ذہنیت کا مالک ہے یہ نہ

ہو تم کسی مصیبت میں پھنس جاؤ۔ پہلی بار ہم نے تفریح کی خاطر سب کیا تھا۔ ہماری تیت کی تھی اس لیے ہمیں نقصان نہیں پہنچا اور نہ سوچو تم سے کچھ الٹا سیدھا ہو جاتا تو۔ تم ارمان کی بات ماننا چھوڑ دو۔"

نریم کو روشن لینے آچکا تھا وہ اسے وہیں سوچتا چھوڑ کر چلی آئی۔ اسے ملائکہ اور ارمان سے ڈر لگنے لگا تھا۔ ماہ نور اور ثانیہ کے یکدم پیچھے ہٹنے کی وجہ بھی سمجھ میں آئی تھی۔ ملائکہ انہیں بزدل کہتی تھی مگر نریم کا خیال اب بدل چکا تھا۔

"لڑکیوں کو ذرا سا بزدل ضرور ہونا چاہیے ورنہ انٹر خسارہ ان کا نصیب بن جاتا ہے۔" پچھلی سیٹ پر نریم دراز نریم سوچتے ہوئے غائب دماغی سے باہر دوڑتے بھاگتے مناظر دیکھ رہی تھی۔

ابھی نریم کے اگلا مز ختم بھی نہیں ہوئے تھے کہ گھر میں شادی کی تیاری شروع ہو گئی۔ تیمور صاحب اسٹنگ کے سارے چند قدم اٹھانے کے قابل ہو گئے تھے۔ جلد از جلد نریم کو دو لکھ روپے دینا چاہتے تھے۔ سلیمان نے سختی سے منع کیا تھا کہ جیڑ کے نام پر وہ کچھ نہیں لے گا۔ اس معاملے پر وہ کھو دما ز کرنے کو تیار نہیں تھا۔ اس لیے ملے ہوا تھا کہ صرف نریم کے کپڑے اور دیگر چھوٹی موٹی چیزیں لی جائیں۔

نریم بے دلی سے پیپرزدے رہی تھی۔ تیمور صاحب بہت خوش تھے۔ بڑے شوق سے نریم کے لیے کی جانے والی شاپنگ دیکھتے۔ البتہ نریم کوئی دلچسپی نہیں لے رہی تھی۔ سارنہ بیگم کو اس کا موجودہ رویہ پھر ڈرانے لگا تھا۔

جس دن اس کا آخری بچہ تھا اس کے اگلے دن میلاد کے بعد نریم کو مایوں بٹھلوا لیا گیا۔

روایتی پیلے کپڑوں میں ملبوس نریم اداس اداس سی نظر آنے لگی۔ بلوچہ بہت پیاری لگ رہی تھی۔ ثانیہ اور ماہ نور کے ساتھ ساتھ ان کی ٹیلی بھی انوائٹ تھی۔ مگر ملائکہ نہیں آئی۔ ملائکہ سارنہ بیگم طبیعت کی

خرابی اور مصروفیت کے بلوچہ نریم کی دوستوں کے خود گئی تھیں۔

مندے والے دن کلن پڑی آواز سنائی دے رہی تھی۔ نریم کی طرف سے سب سلیپ میں آئے ہوئے تھے۔ مندی کی رسم کرنے کے بعد دوستوں اور کزنز نے مل کر بہت خوب صورت ڈیکوریشن کی تھی۔ ملائکہ آج بھی نہیں آئی تھی۔ نریم کی اور کلاس فیلوز کے ساتھ ماہ نور اور ثانیہ پیش پیش تھیں۔

دونوں نے مندی کے قہال اٹھائے ہوئے تھے۔ آرائشی لائٹوں سے سجایا ہوا تھا۔ پھولوں کی پتیوں کی کر کے ان کا استقبال ہوا۔ پہلے ان سب کی خاطر کی گئی پھر گالوں کا مقابلہ ہوا۔

اس کے بعد مندی کی رسم شروع ہوئی۔ باہر قہال سلیمان کی کزنز اسے زبردستی لے کر آئیں۔ مندی لگوانے کے موڈ میں نہیں تھا۔

ماہ نور اور ثانیہ ساتھ ساتھ تھیں۔ سلیمان کو دیکھنے کا بہت شوق تھا۔ اب جب کہ دیکھتی رہ گئیں۔ وہ سلیمان کو پہچان گئی تھیں۔

"ثانیہ! یہ تو وہی ہے۔" ماہ نور اسے قدرے تھک سی جگہ لے آئی۔ دونوں اسی کے بارے میں باتیں کر رہی تھیں۔

"ہاں میں پہچان گئی ہوں۔ سارنہ آئی تیار ہے کہ یہ پولیس آفیسر ہیں اور نریم کے رشتے سے وہ اس رشتے پر ذرا بھی خوش نہیں ہے۔"

"میرا دل گھبرا رہا ہے یا ر! میں سلیمان پہچان گئی۔ سب بتاؤں؟"

ماہ نور نے اسے گھور کر دیکھا۔

"ماگل تو نہیں ہو گئی ہو یہ موقع ہے اسے میں نہیں چاہتی نریم کی لائف بڑھ رہی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ میں سارنہ آئی کو بتا دوں کہ یہ ہم سے ہو گئی ہے۔" ماہ نور اس کے مقابلے میں وار تھی۔

ثانیہ بھی متفق ہو گئی۔ یہ فیصلہ کرنے کے لیے

کے دل پر رکھا بوجھ سرک گیا تھا اور پھر انہوں نے باقی رہموں میں خوشی خوشی اور جوش و خروش سے حصہ لیا۔

نرات کا ایک بچہ چکا تھا۔ سلیمان کے گھر سے ابھی گھر کی بجائے واپس نہیں آیا تھا۔ ان کے گھر میں یہاں ہی رہا ہو گا اور سنا تھا۔ ثروت پھوپھو کے عاوانہ ایک رشتے کی خالہ نریم کے پاس تھیں۔ تیمور صاحب بھی سلیمان کی مندی میں ہنسنے کے ساتھ گئے تھے اور کچھ وقت گزار کر واپس آ گئے تھے۔

نریم کے گھر سے ملے آگئے جہاں ثروت بھی موجود تھیں۔ نریم کسی کو بھی نہیں آ رہی تھی۔ نریم گاڑی پر بیٹھی پانچوں میں پیلے کپڑوں کی پتیوں توڑ توڑ کر پھینک رہی تھی۔ تیمور صاحب پاس رکھے مسونے پر بیٹھ گئے۔ نریم بھی کاربٹ سے اٹھ کر ان کے پاس آئی۔

"پاپا! آپ ٹھیک ہیں۔" نریم نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

انہوں نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا اور آنکھیں کھول کر اسے غور سے دیکھنے لگے۔ ان کے چہرے کا مسلا ہوا ان کی پہچان۔ جب نریم نے تو لیے میں لپٹی تھی۔ نریم کو ان کے ہاتھوں میں دیا تو کیسا سکون ان کے رگوں میں اترتا تھا۔

اب وہ بھی نریم نہیں رہی تھی بائیس سال کی ہو چکی تھی۔ وہ گریڈ 12 نریم جس کو پہلی بار سینے سے لگا کر ان کو اپنے اہم ہونے کا احساس ہوا تھا وہ اب پرائی کی زندگی گزار رہی تھی کسی اور کے آنگن کو مہکانے جاری تھی۔ بس ایک دن کی بات تھی پھر اس نے اداسیاں اور دریا ہوا چھوڑ کر چلے جانا تھا۔

درو کا کیسا احساس تھا جس نے ان کو اپنی لپیٹ میں لیا تھا۔ پھر جانے کب آنسوؤں نے آنکھوں کو ڈھانپا تھا انہیں خبر ہی نہیں ہوئی۔ نریم ان کے سینے سے لگی خود بھی رو رہی تھی۔ ثروت پھوپھو نے بمشکل تمام

دونوں کو چپ کرایا۔

"تیمور! پاپا گل ہوئے ہو۔ کون سا نریم سات سمندر پار جا رہی ہے۔" وہ جانتی تھیں تیمور کے لیے بنی آیا حیثیت رکھتی ہے۔

"تم دونوں باپ بیٹی باتیں کرو۔ میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔" ثروت چائے بنانے کچن میں آ گئیں۔

تیمور بہت غور سے نریم کو دیکھ رہے تھے ایک ایک نقش دل میں جذب کر رہے تھے۔ مایوں کے پیلے کپڑے کپڑوں میں ملبوس بالوں میں اگلے مرتھے گجروں سمیت آنکھوں میں مٹا مٹا پھیلا کاہل اور چہرے پر اداسی لیے نریم انہیں آج معمول سا زیادہ پیاری لگ رہی تھی۔

"پاپا! کیا دیکھ رہے ہیں۔" وہ کافی دیر سے ان کی نظروں کا ارتکاز محسوس کر رہی تھی۔ بالا آخر رہا نہیں گیا تو پوچھ ہی بیٹھی۔

"آج تمہیں دیکھ رہا ہوں۔" وہ برکت ہوئے تو نریم کو کوشش کے باوجود یہ کہنے کی جرات نہیں ہوئی کہ ایسے کیوں دیکھ رہے ہیں جیسے کہ یہ دیکھنا آخری بار ہو۔ اپنی ہی سوچ سے اس کے وجود میں اک سرد لہری دوڑ گئی۔

"سارنہ تم سے بہت پیار کرتی ہے ایک ماں کی طرح۔ اسے حسرت ہی ہے کہ تم اسے مہاکمہ کرنا اور تو کیا اس کی یہ خواہش پوری کرو گی؟" انہوں نے اس کا سراپے سینے پر رکھتے ہوئے سرگوشی میں پوچھا۔ پھر اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتی۔ ثروت پھوپھو ہاتھ میں لے کر بے دلی سے داخل ہو گئیں۔

"میں تو بہت تھک گئی ہوں۔ شادی کے ہنگاموں میں ایسے ہی ہوتا ہے۔ بھاگ دوڑ کر کر کے میری ٹانگوں کا تو حشر ہو گیا ہے۔" چائے کے کپ باری باری تیمور اور نریم کو پکڑا لے ہوئے انہوں نے تھکن کا دونا دیا۔

وہ کافی دیر بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ باہر گاڑیاں رکنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ کچھ دیر بعد سارنہ بھی آ گئیں ساتھ ساتھ ثانیہ اور ماہ نور بھی تھیں۔

"نرم! سلیمان بھائی بہت ڈنٹنگ لگ رہے تھے۔ یہ ماہ نور تھی۔"

نرم نے سر اٹھا کر اس کا چہرہ دیکھا مگر وہ بے حد خوش تھی۔ بچے لمبوں کی ٹوٹی پرچھائیں اس کے پر دکھائی نہیں دے رہی تھیں۔

"ہاں نرم آپ! آپ بہت لگی ہیں۔" یہ ثروت پھوپھو کی سب سے چھوٹی صاحبزادی اربہ تھی جس نے یہ چٹکلی جھوڑا تھا۔

ایک ننھی مسکراہٹ اس کے لبوں پہ آئی۔

"نہیں اور کئی۔ ہونہ اچھا مذاق ہے۔" وہ ہنس کر رہ گئی۔

چائے پی کہ ماہ نور وہیں کارپٹ پہ لیٹ گئی۔ ثانیہ نے نرم کو مندی بھی لگاتا تھی۔ ثروت نے ان دونوں کے علاوہ باقی سب کو زبردستی سونے کے لیے بھیجا۔

اب کمرے میں وہیں تینوں تھیں۔

"مچلو ملاو تیلے سے ٹیک لگاؤ۔ بیٹھے بیٹھے تھک جاؤ گی۔" ثانیہ نے کون پکڑ لی۔

ماہ نور نے ہلکی آواز میں میوزک لگادیا۔ وہی دونوں بول رہی تھیں نرم خاموش اور ابھی ابھی سی تھی۔

"اواس کیوں ہو ڈیر! خوش ہو جاؤ۔ کل کو آخر سرال جانا ہے۔ اتنا ڈنٹنگ اور پنڈ سم دہما ہے۔ دل چاہ رہا ہے چلےں ہو جاؤں تم سے۔" ثانیہ کا انداز مزاحیہ تھا جبکہ وہ کہیں اور ہی ہنسی ہوئی تھی۔

"سلیمان بھائی نے کسی بھی قسم کا جیز لینے سے انکار کر دیا ہے۔" ماہ نور نے ابھی ابھی اسے جو خبر دی تھی بالکل نئی تھی۔ یہ وہ تھکے سے اٹھ گئی۔

"چھا؟" اسے یقین نہیں آیا۔

"ہاں صرف کپڑے وغیرہ لیے ہیں اتنی ساڑھ لے۔ سلیمان بھائی تو یہ بھی نہیں لے رہے تھے مگر تیمور انکل کی طبیعت کی وجہ سے خاموش ہو گئے کیونکہ انکل نے کہا تھا کہ میری بیٹی برائیدل میری پسند کا پسنے گی۔ تیمور انکل نے خود جا کر آرڈر دیا تھا۔ اتنا پیارا ہے تمہارا برائیدل۔ آنٹی نے ماہوں والے دن مجھے دکھایا تھا مجھے تو سلیمان بھائی کی پوری فیملی ہی بہت سلجھی ہوئی تھی

جے۔" ماہ نور کے الفاظ سے لگ رہا تھا کہ وہ بے جا متاثر ہو چکی ہے۔

مندری لگانے کے بعد ثانیہ تو فوراً سو گئی۔ تیمور اس سے پہلے ہی مندی کی داوی میں پہنچ گئی تھی۔ ہولی تو نرم بھی کسی مڑا سے خند نہیں آرہی تھی۔

فجری اذان ہوئی تو تیمور صاحب جاگ رہے تھے۔ آج پورنی طرح متوجہ ہو کر انہوں نے اذان سنی۔ پھر دھڑک کر کے فجر کی نماز ادا کی اور پورے خشوع و خضوع کے ساتھ دعا مانگی۔ انہیں بیدار پا کر سہمی بھی اٹھ گئیں۔

وہ دعا مانگ کر اٹھے تو ایک الونی سا سکون ان کے چہرے پہ پھیلا ہوا تھا۔

"لگتا ہے آج آپ کی طبیعت کافی بہتر ہے۔" تیمم ان کی چستی دیکھ کر خوش ہوئیں۔

"ہاں میں بالکل ٹھیک ہوں نرم کو رخصت ہو کر آئی تھی جسے ساتھ تیمم نے بھی محسوس کیا تھا۔ شام کو پارلر جانے سے پہلے تیمور صاحب نے بہت پیار کیا۔ ننھی سی بچی کی مانند بانہوں میں سے سینے سے لگایا اور وہ بھی وہی سات سالہ نرم کی جیسے اس کو ماما بھی ابھی چھوڑ کر گئی ہوں۔ بڑی بڑی یہ طوفان تھا۔ اور جب وہ تیار ہو کر واپس آئی تو ابھی تیمور صاحب نے ہی ہاتھ پکڑ کر اسے گائی اترنے میں مدد دی۔ لگتا بہت بھاری تھا۔ ایک طرف سے تیمور صاحب اور دوسری طرف سے تیمور پھوپھو نے اسے تھاما اور اندر لائے۔

تب تیمور صاحب نے بھاری دوشہ اٹھا کر اسے دکھا۔ بہت حسین لگ رہی تھی وہ۔ انہوں نے پیار سے اس کی پیشانی چومی۔

"اب بالکل روٹا نہیں ہے۔" انگلی سے ان کی پیشانی سے ہاتھ کی لٹ احتیاط سے پرے کرتے کرتے انہوں نے دوستانہ وار رنگ دی تو نہ چاہنے کے

سکرا دی۔

تیمور صاحب تھری چس میں بہت گریس فل لگ رہے تھے۔ بیماری سے لیور ہو گئے تھے مگر ان کی طبیعت میں کمی نہیں آئی تھی۔

"اے نرم کے لیے میں فی اتری تو تیمور نے اے دیکھا۔ تو وہ خود کو سنبھالنے کی کوشش کرتے ہیں۔" ثانیہ نے بعد سلیمان کو اسٹیج پر نرم کے ساتھ بٹھایا۔

رخصتی سے کچھ دیر قبل ثروت پھوپھو نے نرم کے کان میں سرگوشی کی تھی۔

"جب تیمور ملے تو روٹا بالکل نہیں کیونکہ تمہارے رونے سے وہ ڈسٹرب ہو گا اور ڈاکٹر نے ٹینشن لینے سے منع کیا ہے۔" پھوپھو کہہ کر دور ہٹ گئیں۔

پھر پھوپھو کی ہدایت کے مطابق اس نے دل کو پتھر کر لیا تھا۔

اپنے وجود میں خوشبو سیٹھ دہنا پے کاروپ سجائے اورات اور قیمتی جوڑے سے آراستہ اس چہرے کو دل جو درد کو آج سے پہلے بھی دیکھ چکا تھا۔ اسپتال میں اسے دیکھ کر اس نے اپنی حیرانی ظاہر نہیں ہونے دی تھی کیونکہ تیمور صاحب کا وہ اپنے والد جیسا ہی احترام کرتا تھا۔

ایک تجسس ضرور تھا کہ پوچھے تم ان لوگوں کے ساتھ کیوں تھی کیوں کیا تھا وہ سب "مگر اس کے باوجود اس تجسس میں نفرت شامل نہیں ہوئی تھی۔

سلیمان سفید کاشن کے کرتے شلوار میں لمبوس اس کے مقابل بیٹھا تھا۔ کسی دلکش سے کولون کی مسکن نے نرم کے گرد گھیر ڈالا تھا۔ نرم کا آپٹل چہرے سے کچھ کھٹکا ہوا تھا اس لیے وہ اسے بڑی توجہ سے دیکھ رہا تھا۔

اس کی جھکی ہوئی پلکیں لرز رہی تھیں۔ یا تو قی لب نرم ایک دوسرے میں پوست کسی نئی کمانی کو شروع کرنے کی دعوت دے رہے تھے۔ نرم کے دونوں ہاتھ

کو وہیں دھرت تھے۔ سلیمان نے غور سے اس کے ہاتھوں کی طرف دیکھا اور دائیں ہاتھ کو اپنے منہ پر ہاتھوں میں لے کر دیا تو نرم کے لبوں سے ہلکی سی آواز نکلی۔

"بہت خوب یہ وہی ہاتھ ہیں۔ میں پہچان گیا ہوں۔" نرم نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ "میرا مطلب ہے کافی خوب صورت ہاتھ ہیں نازک اور آرٹسٹک بہت نرم بھی ہیں۔" سلیمان نے ابھی تک اس کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا۔ "جیوری بھی بہت خوب صورت پسینی ہے۔" وہ اس کی کانٹیوں کو بغور دیکھ رہا تھا جو کہنیوں تک مندی کے خوب صورت ڈیزائن سے سجی ہوئی تھی۔ اب سلیمان کا ہاتھ اس کی کانٹی پہ تھا۔ نظریں ایک پل میں اس کی گردن میں سجے جڑاؤ ہار کانوں میں پہنے جھکوں کو چھو آئیں ساتھ ہی ہاتھ برہا کر اس نے نرم کے ہاتھ پہ چھو لتی لٹ پیچھے کی۔ جانے کیا تھا وہ ایک دم پیچھے ہوئی تھی۔

"اس کی کانٹی سلیمان کی گرفت میں تھی جس میں جی کلرنگ کی تین چار جوڑیاں ٹوٹ گئی تھیں۔

اس کے بازو پہ جوڑی کا ٹکڑا چبھ جانے کی وجہ سے خون کا ایک قطرہ ابھر آیا تھا۔

"کوئی بات نہیں دشمنی میں سب چلتا ہے۔" وہ اپنے مخصوص گھرے لہجے میں بولا تو نرم کو بے انتہا خوف محسوس ہوا۔

دل چلا رہا تھا یہاں سے بھاگ جائے۔ سامنے بیٹھا شخص جو اسے مسلسل اپنی پُرسوں نگاہوں کی گرفت میں لیے بیٹھا تھا اپنے گیس سے اس کے دل کو دھڑکا رہا تھا۔

"بہت حسین لگ رہی ہو۔ ایک ایک نقش آج بول رہا ہے۔ یہ آنکھیں۔" سلیمان کی انگلی اس کی بند آنکھوں پہ دھری تھی "یہ ہونٹ یہ گردن یہ وجود۔" سلیمان کا ہاتھ بول رہا تھا۔ "یہ ہارا روتیل۔" سلیمان کے دونوں ہاتھ اس کی گردن کی طرف بڑھے۔ "نن۔ نن۔ نہیں۔" لفظ ٹوٹ ٹوٹ کر اس کے لبوں سے نکلے پہلے وہ پیچھے ہوئی پھر بند سے ہی اتر

مٹی۔ زریار دوپٹے میں جو نہیں لگی تھیں وہ تو پہلے ہی
نہیں چکی تھی اب جویوں ڈر کے پیچھے ہوئی تو وہ پہلے سر
سے اتر ہی گیا۔ سلیمان لمحوں میں اس تک پہنچ گیا۔
”سوٹ ہارٹ کیا ہوا؟“ وہ انجان پن سے بولتا
نریم کو اپنی گرفت میں لے چکا تھا۔

”مجھے ڈر لگ رہا ہے پلیز چھوڑ دیں۔“ نریم نے
اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر اسے دلدرد چلیا چاہا۔
”اس وقت ڈر نہیں لگ رہا تھا جب ایک چھ فٹ
کے مرد کو زبردستی گاڑی میں بٹھا کر آنکھوں پر پٹی باندھ
رہی تھیں۔“ سلیمان کے لہجے سے ساری نری
رخصت ہو چکی تھی۔

”بولو۔ بولو کیا منصوبہ تھا تمہارا اور تمہاری
دوستوں کا۔“ نریم کا ہاتھ اس کی سخت گرفت میں
برسر کر رہ گیا۔ آنکھوں میں آنسو بھی آگئے۔ ”تمہارے
اس خوب صورت وجود میں بے رحم دل ہے۔“
سلیمان کا لہجہ آگ برسا رہا تھا۔ اسی دوران اس کا
موبائل فون گنگنایا۔

اس نے خود پہ قابو پاتے ہوئے کل ریسیو کی۔
”کیا کہہ رہے ہو ریان! یہ کیسے ہوا۔ میں ابھی آ رہا
ہوں۔“ وہ فون سن کر انہی قدموں روانہ کھول کر باہر
چلا گیا۔ چند منٹ گزرے تھے کہ خدیجہ ”نریم کے پاس
آئیں۔“

”بیٹا! کپڑے بدل لو۔“ ان کا لہجہ غم اور سنجیدہ تھا۔
”آئی! کیا ہوا؟“ اس کے دل میں کسی انہونی کا
خوشہ جاگا۔

”جلدی کپڑے بدل لو ہمیں تیمور بھائی کی طرف جانا
ہے۔ طبیعت خراب ہے ان کی۔“

”مما! جلدی کریں گاڑی میں بیٹھیں۔ ریان گھر
لاک کر کے آجائے گا۔“ سلیمان دوبارہ بیڈ ریوم میں
آیا۔ نریم کپڑے تبدیل کر کے چادر اوڑھ رہی تھی۔

”آپ دونوں گاڑی میں بیٹھیں میں آ رہا ہوں۔“ وہ
ایٹاواٹھوٹھ رہا تھا۔ خدیجہ ”نریم کو ساتھ لے کر باہر
گھڑی گاڑی میں بیٹھ گئیں۔“

جو خیال تھے نہ قیاس تھے وہی لوگ مجھ سے
جو محبتوں کی اساس تھے وہی لوگ مجھ سے
بنیں مانتا ہی نہیں یہ دل وہی لوگ میرے ہیں
مجھے ہر طرف سے جو اس تھے وہی لوگ مجھ سے
مجھے لمحہ بھر کی رفاقتوں کے سراب اور منام میں
مری عمر بھر کی بویاں تھے وہی لوگ مجھ سے
جنہیں قہر کر سکا نہ میں وہ شریف راہ ستر
جو مرنے طلب مری آس تھے وہی لوگ مجھ سے
مری عزتوں کے قریب تھے مری چاہ تھے میرا خواب تھے
وہ جو روز شب میرے پاس تھے وہی لوگ مجھ سے
”ایسا! اگر مجھے ذرا بھی پتا چل جاتا تو میں نہ جاتی۔“
مجھے کیوں پتا نہ چل سکا کہ آپ مجھے چھوڑ کر چلے
والے ہیں۔“ روتی پھلتی نریم کو سنبھالنا مشکل ہو رہا
تھا۔

ساتھ بیگم ٹکر ٹکر ایک ایک کو دیکھے جاری تھیں
نریم کی رخصتی کے بعد تیمور صاحب اندر آ کے لپٹ
گئے تھے وہ بہت خوش تھے کہ بیٹی کا فرض خوش
سے ادا ہو گیا ہے۔ مہمان جو دوسرے شہر سے آئے
تھے ابھی تک ادھر ہی تھے۔ ساتھ ملازموں سے کام
رہی تھیں۔ جب فارغ ہو کر اندر آئیں تو وہ ابھی
سورہ تھے۔ اس قدر سکون تھا کہ ان کے چہرے
لگ ہی نہیں رہا تھا اس شخص میں زندگی کی راسخ
ہے۔ انہیں دوبارہ ہارٹ اٹیک ہوا تھا جو کہ جان لیوا
ثابت ہوا تھا۔

سلیمان نے اس موقع پر بیٹے والی ساری ذمہ داری
بھائی۔ ساتھ کو دوسرا روز تھا کچھ بھی نہیں کھایا تھا
نے۔ سلیمان نے کسی نہ کسی طرح انہیں کھانے
آمان کر ہی لیا۔

ایک کپ دودھ کے ساتھ ڈبل روٹی کا سلاخ
انہوں نے مشکل سے کھایا تھا۔ ادھر وہ سر نہ
کرے میں پڑی تھی نہ بولتی تھی نہ باہر آتی
خدیجہ آوازیں دے دے کر باہر بھی نہیں آتی۔
اس نے روانہ کھول دیا مگر باہر پھر بھی نہیں آتی۔
نے اسے بہت سمجھایا۔ مگر کھانا ویسے کا ویسا آگے

رہا ریان کو یوں لگ رہا تھا کہ کسی بے جان شے سے
چمک رہا ہے۔
”ممان! تم جاؤ۔“ سلیمان نے اسے باہر بھیج دیا۔
”نریم! کمرٹ چمکھنوں پہ سر رکھے بیٹھی تھی یوں کہ
جراں نہ لگے آ رہا تھا۔“

”نریم! تیمور انٹل کتنی محبت کرتے تھے آپ سے
انہوں نے اسے جال دیا وہ آپ کو دیکھ لیتے تو جانے کیا کرتی
تھی۔“ انہیں شاباش! ساتھ خالہ کو بھی آپ نے ہی
ہت دینی ہے۔ بہادر بنیں اور پہلے تھوڑا سا کچھ پی
لیں۔“ سلیمان نے اس کا کھنوں پہ رکھا سر اٹھایا۔ بند
آنکھوں کے پیچھے موتی چمک رہے تھے۔
”شاباش نریم! سنبھالیں خود کو۔“

کتنا مہمان لگ رہا تھا اس سے وہ نریم کے ضبط کا
بندھن ٹوٹ گیا۔ وہ کسی کے گلے لگ کہ نہیں روئی
تھی۔ کمرے میں بیٹھے اس شخص نے یہ بھی قسم تو زدی
تھی۔ اس سے لپٹ کر پیچھے گر روئی۔

وہ اس کا سر سسلا رہا تھا۔ ”شاباش! اب جب
ہو جائیں اور ساتھ خالہ کے پاس آکر بیٹھیں۔“ ماما بھی
بہت پریشان ہیں۔ ”بہت دیر بعد جب وہ پرسکون ہوئی
تو سلیمان نے اس کے آنسو صاف کیے۔

”آج تو رو لیا ہے۔ آئندہ نہیں رونا۔ مرنے والے
کی روحوں کو تکلیف ہوتی ہے۔“ نریم اس کے
بازوؤں کا سہارا لے کر کھڑی ہوئی۔ اس کا دوشہ نیچے
کمرٹ پہ پڑا تھا۔ سلیمان نے اٹھا کر اس کے کندھے پہ
ڈال دیا۔ نریم کے ہاتھ پاؤں سے ابھی تک مہندی کی
چھبھو آ رہی تھی۔ نقش و نگار ذرا بھی مدھم نہیں
ہو سکتے تھے۔

خدیجہ نے اسے پاس بٹھالیا۔ نریم کے سامنے ساتھ
کئی کئی لٹی اور اداس سی جالے کیوں وہ اسے اجنبی
کے گھر نریم نے نظریں چرائیں۔

نریم ہو تو ایسا لگتا ہے
تیمور ان ہو رہا ہو گوار حیات

جیسے خوابوں کے رنگ پھلے ہوں
جیسے لفظوں سے موت رختی ہو
جیسے سانسوں کے تار بکھرے ہوں
تم نہیں ہو تو ایسا لگتا ہے
جیسے خوشبو نہیں ہو کلیوں میں
جیسے سونا ہوا ہو شہر دل
جیسے کچھ بھی نہیں ہو کلیوں میں
جیسے خوشیوں سے دشمنی ہو جائے
جیسے جذلوں سے آشنائی نہ ہو
تم نہیں ہو تو ایسا لگتا ہے
جیسے اک عمر کی مسافت پر
بات کچھ بھی سمجھ نہ آئی ہو
جیسے چپ چاپ ہوں آرزو کے شجر
جیسے رگ رگ کہ سانس چلتی ہو
جیسے بے نام ہو دعا کا سفر
جیسے قسطوں میں عمر کتنی ہو
تم نہیں ہو تو ایسا لگتا ہے
جیسے اک خوف کے جزیرے میں
کوئی آواز دے کے چھپ جائے
جیسے مٹتے ہوئے اچانک ہی
غم کی پروا سے آنکھ بھر آئے
تم نہیں ہو تو ایسا لگتا ہے!!

تیمور صاحب کو اس دنیا سے گئے ہوئے دو ماہ سے
زانک ہو گیا تھا مگر ساتھ بیگم کو ان سے جدائی کا زخم آج
بھی تازہ لگتا تھا۔ ان کی پرہیزگنسی کو سلتا گزر چکے
تھے۔ جوں جوں ٹائم گزر رہا تھا ان کی تکلیف بڑھتی
جاری تھی۔

آج نریم کو بھی جانا تھا۔ خدیجہ ڈیڑھ ماہ ادھر ہی۔ من
کے پاس رہی تھیں۔ نریم بھی ابھی تک یہیں تھی۔
سلیمان اس دوران وقت نکل کر روز آتا۔ ٹیکسری کا
فیجر سلیمان سے رابطے میں تھا وہ ایماندار شخص تھا۔
سلیمان بھی صورت حال سے آگاہ تھا کہ اس لیے ابھی
تک کوئی گزیر نہیں ہوئی تھی۔
ساتھ بیگم نے ہی سلیمان سے کہا تھا کہ نریم کو یہاں

سے لے جاؤ۔ چہ تکہ شادی والے دن ہی تیمور صاحب کا انتقال ہوا تھا۔ تو لہجہ بھی ملتوی ہو گیا تھا۔ سائرہ بیگم اور نرم میں اجنبیت کی دیوار سی جا رہی تھی۔ دونوں ایک دوسرے سے بات نہیں کر رہی تھیں۔ اس عالم میں نرم کا دم گھٹنے لگا تھا۔ سلیمان بھی آتا تو سائرہ بیگم کے پاس سے ہی بیٹھ کر چلا جاتا۔ کئی بار اس کے آنے کی خبر ہی نہ ہو پاتی۔

اس روز بھی جب وہ جلے لگا تو سائرہ بیگم نے روک لیا۔

”نرم کو ساتھ لے جاؤ اسے تبدیلی کی ضرورت ہے۔“

”خالہ! آپ اکیلی ہیں کچھ دن اور رہ لے وہ پھر میں لے جاؤں گا۔“ صاف لگ رہا تھا کہ وہ دامن چارہا ہے۔

سلیمان تین دن سے نہیں آیا تھا۔ اس دوران صرف ایک بار اس کا فون آیا تھا۔ سائرہ پریشان تھیں۔

سائرہ بیگم کو نرم یہ غصہ آتا اس نے ایک بار بھی سلیمان سے گھر جانے کے لیے نہیں کہا۔ اب تو خدیجہ کو بھی تشویش نے آن گھیرا تھا۔ ریان یونیورسٹی سے فارغ تھا وہ اسے ساتھ لے کر چلی آئیں۔

سائرہ کی تنہائی کے پیش نظر انہوں نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ ریان ادھر ہی رک جائے اور وہ دونوں میاں بیوی سلیمان کے پاس۔

خدیجہ اور ریان کی آمد نرم کے لیے خاصی خوش کن تھی۔ وہ بات کرنے کے لیے ترس گئی تھی۔ مگر انہوں نے آتے ہی ریان سے کہا کہ ”بھالی کو گھر چھوڑ آؤ۔“

”میں ادھر ہی ہوں سائرہ کے پاس تم جب تک آرام سے رہ آؤ۔ پھر ملنے والے چلے جاتے ہیں مگر زندگی چلتی رہتی ہے۔“ انہوں نے زندگی کا سب سے برا کج بیان کیا۔

”کچھ عرصہ بعد ہم سب بھی ادھر ہی شفٹ ہو رہے ہیں تمہارے اہل آکر خوردی گھر دیکھیں گے۔“ انہوں نے لے لیں گے۔ ”گے ہاتھوں انہوں نے“ پروگرام بھی بتا دیا۔

وہ بچے بچے انداز میں تیار ہوئی عام سے سوئی کر کے دھلا دھلا چروہ خدیجہ نے دیکھا تو سر پیٹ لیا۔

”میں نے تو بھولا کر اپنے چاؤ بھی نہیں پورے کیا۔“

”آج کل کی لڑکیوں کو تو اتنا شوق ہوتا ہے شہرے سنورنے کا۔ سائرہ فارغ ہو جائے تو پھر دھوم دھام سے دیکھ کروں گی سلیمان کا۔“ انہوں نے خود اس کی الماری کھول کر ایک سوٹ نکالا۔ یہ سب شادی کے پہلے کے سٹائل ہوئے تھے۔ پنک ٹکر کا اسٹائل کا سوٹ تھا۔

”یہ پنو فوراً۔“

اس سے پہلے کہ ریان اسے چھوڑنے جاتا سلیمان خود ایک خدیجہ نے اسے بھی اپنے آنے کا نہیں بتا تھا تو وہ انہیں دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ نرم نے چاہا کہ بعد اسے دیکھا تھا۔ جانے کیا بات تھی اس میں اس کے سارے منفی خیالات دم توڑ گئے تھے۔

پہا کے جانے کے بعد جس طرح اس نے سائرہ کو بھالی تھی سائرہ کو اور اسے حوصلہ دیا تھا۔ اس کے گھر کو جو اکیلے پن کا خوف تھا وہ جاتا رہا تھا۔ اس نے فیکٹری کے معاملات بھی ایماندار لوگوں کے ہاتھ دیے تھے۔

نرم بچن میں آئی۔ ساجدہ بریانی کو دم توڑ گیا تھی۔ نرم نے بھی اس کا ہاتھ بٹانا شروع کر دیا۔

ساجدہ چائے دینے ڈرائنگ روم میں گئی تو نرم نے نرم کا پوچھا۔

”وہ تو بچن میں ہیں۔ سوٹ ڈش کے بعد چائے لیے سبزیاں کٹ رہی ہیں۔“ ساجدہ نے بتایا۔ بیگم کی نگاہ سلیمان کی طرف اٹھی گویا کہ وہ بھی میں جو تک لگ ہی گئی ہے۔

میری آنکھوں میں رات جلتی ہے رات میں کتنی خواب جلتے ہیں

وہ بچے بچے باتوں کہ جان بچتی ہے۔

لو کہہ دیں سلتا ہے! دیتے جیتے نہیں!

”میرا! میں ان دنوں بہت بڑی ہوں رات تو بچن والیں آنے کا کوئی خاص وقت نہیں ہے۔ کیونکہ شہر کے حالات خراب ہیں تو کسی بھی وقت مجھے جانا پڑ جاتا ہے۔“ خدیجہ نے اسے ایک بار پھر نرم کو ساتھ لے جانے کو کہا تو سلیمان نے پھر وضاحت کی۔

اس کی معقول دلیل یہ خدیجہ خاموش ہو گئیں مگر نرم کو لگ رہا تھا اس نے جان چھڑائی ہے۔ وہ سب نے ایک جیٹھی تھی۔ نظرس رہ رہ کر سلیمان کی طرف اٹھتی تھیں۔ اپنے اسٹارٹ ہیئر کٹ گھری پر تاثر ڈالنے لگیں۔

اس کی باتیں یاد آ رہی تھیں جو اس کی رخصتی سے قبل انہوں نے اس کے ساتھ کی تھی۔

”میں تم اپنی خود ساختہ نفرت کے قبضے میں ہو جب نفرت کا یہ خول ٹوٹے گا تو تمہیں سب نظر آنے لگے گا۔“ سلیمان اچھا لڑکا ہے۔ وہ دن اور نہیں ہے جب تمہارا دل غلط مضبوط ہو جائے گا کیونکہ یہ رشتہ ہوتا ہے ایسا ہے جو اجنبی لوگوں کو محبت جیسے مضبوط بندھن بناتا ہے۔“

”تو کیا پاپا نے تھک کما تھا؟ پھر الجھ رہی تھی۔“

محبت ان کے لفظوں میں۔

پھر ایک راز ہے گہرا جیسے گہرے سمندر میں پھپھاکتی موتی تو لفظوں سے عیاں نہ ہو تو لفظوں میں عیاں نہ ہو!

کہانی مضطرب سی اک قصہ لایا اس سا اک سمجھنے کو سمجھانے کو دل کا ہونا ضروری ہے

سائرہ بیگم کی بڑی بھالی نے گاؤں سے ایک میاں بیوی کو اس کے پاس بھیجا تھا۔ اہل حاجرہ اور خدا بخش کے ہاں کوئی اولاد نہیں تھی دونوں شروع سے ہی اس کے میکے میں کام کرتے آئے تھے۔

قلیل اعتماد اور قابل بھروسہ تھے اس لیے انہوں نے سائرہ بیگم کے پاس بھجوا دیا ویسے بھی ان حالات میں اس کے پاس کسی سمجھ دار عورت کا ہونا ضروری تھا اور اہل حاجرہ ان خصوصیات پر پوری اترتی تھیں۔

ان دونوں میاں بیوی کو یہاں آئے چند دن ہی گزرے تھے اور وہ اس ماحول میں رچ بس گئے تھے۔ خدا بخش نے پورے لان کی حالت بدل دی تھی۔ اہل حاجرہ نے ساجدہ کے ساتھ مل کر بچن کی ذمہ داری سنبھال لی تھی۔ سائرہ کے لیے وہ خود کھانا بناتی تھیں۔

مقوی اور قوت بخش فارغ وقت میں وہ ان کے بالوں میں تیل کی مالش کرتی ان کا حوصلہ اور ہمت بڑھاتی۔

جوں جوں سائرہ کی ڈیوری نزدیک آ رہی تھی اس کی تکلیف بڑھتی جا رہی تھی۔

اس دن سلیمان آفس سے اٹھنے کے بعد گھر چلے گئے بجائے سائرہ بیگم کی طرف چلا آیا۔ وہ کہیں نظر نہیں آ رہی تھیں۔ اہل حاجرہ نے بتایا کہ اندر ڈاکٹرنی چیک کرنے آئی ہوئی ہے۔

”پتر دن قریب ہیں میں سائرہ دھی کے سب ہی ڈاکٹرنی سے چیک کر رہی ہے۔“ پاس ہی نرم بھی تھی اہل حاجرہ کی کھلی ڈلی بات پر شرما کر رخ موڑ لیا۔

”آپ جیسے ہاں۔“ اہل حاجرہ کی بات کا اثر زائل کرنے کے لیے نرم نے اخلاقیات بھانا چاہا۔

”ہاں پتر! بیٹھو میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔“ انہیں پتا تھا سلیمان اس گھر کا مالک ہے تب ہی خاطر تواضع میں

جست گئیں۔
وہ بے نیازی سے بیٹھا کبھی کبھی اس پر بھی نظر ڈال لیتا تھا جو انتوں سے ہونٹ چل رہی تھی۔ کتنی بار وہ اپنی رست و اوج دیکھ چکا تھا جیسے بہ حالت مجبوری بیٹھا ہو۔ نرم نے آج پہلی بار اسے یونیفارم میں ملبوس دیکھا تھا۔ دل چاہ رہا تھا خوب غور سے جائزہ لے مگر چوری پکڑے جانے کا ڈر تھا جانے وہ کیا سوچے پہلے ہی اتنا اجنبی بنا ہوا تھا۔

"آپ کی اپنی فریڈز سے ملاقات نہیں ہوتی آج کل۔" اس نے اچانک غیر متوقع سوال کیا تھا۔ نرم کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ واقعی وہ اس سے بوجھ رہا ہے۔ "جی ہوتی رہتی ہے۔" اس نے سبقت لے کر کہا۔

"ملائکہ سے پھر ملیں آپ؟"
وہ پوری جان سے لرز گئی۔ کیا وہ سب جان گیا ہے۔ اسے سب پتا چل گیا ہے۔ اس کا خوف آنکھوں سے جھانکنے لگا تھا۔

"جی نہیں میں اس سے نہیں ملتی۔" وہ اندرونی خوف کا ہوا پاتے ہوئے بولی۔

"تین دن پہلے وہ دو لڑکوں اربان اور جواد کے ساتھ گرفتار ہوئی ہے۔ ایک چور کے پاس چوری کے زیورات فروخت کرنے آئی تھی وہ باقی دو لڑکوں کے ساتھ۔ خاصا جاندار کیس ہے یہ اور میرے ایک جاننے والے کے پاس ہے۔ وہی اسے ہینڈل کر رہا ہے۔" سلیمان بغیر کسی تاثر کے بتا رہا تھا۔ وہ سر جھکائے مجرموں کی طرح بیٹھی تھی۔

"اور ہاں ایک اور اطلاع بھی ہے آپ کے لیے کہ ملائکہ رحمانی نے ہالی وے سے ایک گاڑی بھی چھینی ہے مگر پوائنٹ پر اربان کے ساتھ اور جس سے گاڑی چھینی گئی ہے وہ زخمی حالت میں اسپتال میں ہے۔ اربان نے اس کی ٹانگ پر گولی ماری ہے۔"

اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور بولتا اہل حاجرہ چائے کی ٹرالی لے آئیں۔

"سلیمان پتر! اب اپنی بیوی کو گھر لے جاؤ۔ سائہ بیٹی بھی خیر سے فارغ ہو جائے گی۔" اہل حاجرہ نے

جس طرح اسے ساتھ لے جانے کا کہا تھا۔ نرم نے گھر پر رہا تھا اس سے ڈانٹتے پر سانسوہ بیٹھا تھا۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے سلیمان کی ریکا کئی نظروں میں آگئی ہے۔

"اماں! آپ جاؤ۔" اماں حاجرہ منظر سے چھین کر نرم نے چائے کی پیالی اس کے آگے رکھی۔ "میں نہیں پیوں گا چلتا ہوں۔" اس سے اٹھ کر اوپر ہی چلا آیا۔ یونیفارم بھی نہیں چھین کیا سوچا تھا۔

خالہ کی خیریت دریافت کر اہل خیر پھر سہی۔ یعنی وہ صرف خالہ کی خیریت پوچھنے آیا تھا۔ خوش فہمی میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں۔ اس نے ایک بار بھی نرم سے گھر چلنے کے لیے نہیں کہا تھا۔

کچھ خواب ہیں جن کو لکھتا ہے

تعبیر کی صورت دیتی ہے

کچھ لوگ ہیں اجڑے دل والے

جنہیں اپنی محبت دینی ہے

کچھ پھول ہیں جن کو چننا ہے

اور ہار کی صورت دینی ہے

کچھ اپنی غنڈیں پاتی ہیں

جنہیں بانٹنا ہے کچھ لوگوں میں

ان کو بھی تو راحت دینی ہے

اے عمر رواں!

آہستہ چل

ابھی خلاصا قرض چکانا ہے

رات کا جانے کون سا پتر تھا جب دردی

گھبرا کر سائہ کی نیند ٹوٹی۔ پاس ہی کارپٹ پر

سوری تھیں۔ انہوں نے بیڈ پر لیٹے لیٹے

دی۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھ گئیں۔

سائہ کے زرد چہرے پر سینے کے قطرے

رہے تھے۔

لکھیا ہوا بیٹی! وہ لپک کر اس کے پاس

دانت پ دانت جملے تکلیف کو برداشت

کوششیں کر رہی تھیں۔
"اماں! سلیمان کو فون کرو جس مجھے اسپتال لے جائے۔" وہ اٹنے قدموں نرم کے بید روم کی طرف

چلے گئیں۔
یوں بے وقت دستک سن کر نرم بھی پریشان ہو گئی۔ اہل حاجرہ آواز دے رہی تھیں۔
"اماں! جیہ نرم پتر! اٹھ جاؤ۔"

"اماں! ایلیات ہے؟"
"ہی! اسانہ کی طبیعت خراب ہے۔ سلیمان بیٹے کو فون کرو فوراً" بیٹے۔ "کہہ کر وہ پلٹ گئیں۔"

سلیمان کچھ دیر پہلے ہی گھر آیا تھا اور ابھی جاگ رہا تھا۔ آج پہلی بار فون پر اس نے نرم کی آواز سنی تھی۔

"آپ فوراً ہماری طرف آئیں۔ سائہ بیگم کی طبیعت خراب ہے۔" اس نے سلام دعا کیے بغیر

لٹاک ت فون بند کر دیا۔ وہ سیل فون کو کچھ لمحے

گھور رہا گیا۔

"بہت خوب سائہ بیگم۔ ابھی تک محترمہ کا مطلقہ

رضعت نہیں ہوا ہے۔" غصے سے اس کا چہرہ سرخ

ہو گیا۔

سائہ بیگم لیبر روم میں تھیں۔ نرم باہر کرسی پر بیٹھی اضطرابی حالت میں انگلیاں موڑ رہی تھی۔ اہل

خانہ دل ہی دل میں سورتیں پڑھ رہی تھیں۔ سلیمان بھی موجود تھا۔

کئی دیر ہو گئی تھی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ نرم کا اضطراب بڑھتا جا رہا تھا کیسی عجیب سی بے کلی

احول کو کس سے آشنا کر رہی تھی۔
بے قراری حد سے سوا تھی۔ ابھی کچھ کھٹنے قفل

سائہ لیبر روم میں جاری تھیں تو نرم کے ایک

اٹھ کر دیا تھا اس خاموش سے لمس میں جو درد جو

بیم چھتا تھا نرم پر اب منکشف ہو رہا تھا۔

نرم نا جانے کیا ہو گا؟ اضطراب کسی پل بھی

نہیں لینے دے رہا تھا۔ وہ لیے کو ریڈور میں چلنے

گلی بوقت گویا تھم سا گیا تھا۔
کافی صبر آزما انتظار کے بعد لیبر روم کا دروازہ کھلا۔
سائہ کو دو سرے روم میں منتقل کیا جا چکا تھا۔ ہانپتی کانپتی
اہل حاجرہ کے پیچھے وہ بھی کھلے دروازے سے اندر

چلی۔
سائہ بیگم کو ڈرپ گلی تھی۔ وہ آنکھیں بند کیے لیٹی
تھیں۔ پاس ہی کمر میں لینا وہ ننھا سا وجود محو خواب

تھا۔
نرم کبھی سائہ کو دیکھ رہی تھی کبھی اس سوئے
ہوئے فرشتے کو۔ ڈرتے ہچکچاتے اس نے پہلا قدم

اٹھایا پھر دوسرا۔
نفرت سے محبت کی طرف واپسی کا پہلا قدم اٹھانا ہی

دشوار ہوتا ہے اور اس منزل کو نرم نے آج چھو ہی لیا
تھا۔

اس کے ہاتھ اس ننھے سے وجود کی طرف بڑھے۔
سائہ کی سانس جیسے سینے میں ہی اٹک گئی۔ وہ دم

سلاو سے دیکھ رہی تھیں۔ نرم نے اسے اٹھالیا۔
"میرا بھائی، میرا بھائی، میرے بھائی ہو مل تم میں

آگئی نہیں ہوں۔" درد کا لاوا نرم کی آنکھوں سے بہہ
نکلا۔

"مما! یہ میرا بھائی ہے ہاں، میرا چھوٹا بھائی۔" اسے
اٹھائے اٹھائے وہ سائہ بیگم کے پاس ہی بیٹھ گئی۔

جس چادری لفظ کو سائہ اتنے طویل عرصے سے سننے
کی منتہی تھیں وہ آج نرم نے بول ہی دیا۔ سلیمان نے

حیران کن منظر دیکھا۔ اسے ابھی ابھی نرس سے پتا چلا
تھا کہ سائہ بیگم نے ایک بیٹے کو جنم دیا ہے۔

نرم سائہ بیگم سے لپٹی بیٹھی تھی۔ اس کے دونوں
بازو سائہ کے گرد حائل تھے۔ سائہ خود موت کی سرحد

کو چھو کر لوٹی تھیں۔ اہل حاجرہ نے انہیں بیٹھنے سے
منع کر دیا۔

"ہاں بیٹی گھر جا کر لاڈ کر لیتا۔ چلو لیٹو سائہ
بیٹی! انہوں نے اپنائیت بھرا ملن جتایا تھا۔ واقعی

گم زوری سائہ کے وجود سے عیاں تھی۔ نرم بھائی کو
گود میں لیے بیٹھی تھی۔

"اف" ونڈر فل۔ اس کی آنکھیں بالکل سیاہی کی طرح ہیں۔ اور یہ دیکھیں اس کے گل کتنے سوٹ ہیں۔ دل کرتا ہے بیمار کر کے۔ "ایک دم اس کی زبان کو بریک لگ گیا۔ سلیمان بڑے غور سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ جینپ کر سب بدل گئی۔

"مما! دیکھیں میں اس کی آنکھیں سیاہی کی طرح ہیں ہیں!" اب وہ پھر سائہ بیگم کے بستر پر تھی۔

"ہاں اور اس کے بالوں کا کلر مستواں ٹاک ہاتھ پاؤں سب تمہاری طرح ہیں۔"

"جی۔" وہ خوشی سے بے حال ہو رہی تھی۔

"بالکل سچ یہ اپنی آپنی کی طرح ہے۔" انہوں نے تصدیق کی تو ایک بار پھر اس کی خوشی دیکھنے کے قابل تھی۔

"مگر اس کا دل اپنی آپنی کی طرح نہیں ہوتا چاہیے۔" پاس بیٹھا سلیمان بڑے دھیسے لہجے میں بولا تھا۔

نریم نے ادھر ادھر دیکھا کہیں کسی نے سن تو نہیں لیا۔ وہ بول کر بالکل بے نیاز بن گیا تھا۔

دوپہر تک ہسپتال کا وہ پرائیویٹ روم رشتہ داروں سے بھر چکا تھا۔

خدیجہ نریم کی آنکھوں کی سرخی دیکھ رہی تھی جو شب بیداری کی غماز تھی۔ انہوں نے زبردستی ریان کے ساتھ اسے گھر بھیجا۔ ورنہ ننھے ننھے سے بھائی کے پاس سے اٹھنے کو بالکل دل نہیں کر رہا تھا۔

اماں حاجہ بھی اس کے ساتھ ہی گھر آئی تھیں۔ انہوں نے رات کو دوبارہ واپس جانا تھا سائہ کے لیے کھانا لے کر۔

نریم تو گھر پہنچتے ہی سو گئی۔

نریم روز صبح ہسپتال آئی اور مغرب کے بعد خدیجہ زبردستی گھر واپس بھیجتیں۔ اس کا دل چاہتا ہی نہیں تھا بھائی کو چھوڑ کر جائے۔ اس کی یہ محبت دیکھ کر سائہ کے دکھوں کا ازالہ ہو گیا تھا۔

اس ننھے منے وجود نے نریم کو ان سے ملادیا تھا۔ اس کے منہ سے لفظ ماما کتنا پیارا اور انمول لگتا تھا۔

وہ جب تک ان کے پاس رہتی بھائی کو اٹھاتا رکھتی اس کے گلاؤں پہ انگلیاں پھیرتی اس کی آنکھوں کو پھولی اس کے گلابی ہونٹوں کو چومتی اور پوچھتی خوش ہوتی۔

چوتھے دن سائہ بیگم کو اسپتال سے گھر پر اجازت مل گئی۔ اس روز نریم اسپتال میں آئی وہ گھر پر وائر ان کے استقبال کی تیاری کر رہی تھی جب گاڑی گیت سے اندر داخل ہوئی تو نریم نے نریم کھڑی تھی۔ ساتھ ہی روشن خدا بخش گھر کے ساجدہ بھی تھے۔

نریم نے پھولوں کی پتیاں سائہ بیگم پر نچھلوا دیں۔

"ویکم مما!" ساتھ ہی وہ ان کے گلے لگ گئی۔

"مما! آئی ایم سوری۔ آئندہ میری طرف سے تم کو دکھ نہیں ملے گا۔" خدیجہ کی گود سے اس نے بھائی کو لے لیا۔

"میں اسے خود اٹھاؤں گی۔" ایک سرشاری کی رنگ جلیں میں اتر گئی۔

ان کی غیر موجودگی میں نریم نے ان کے پیچھے ہٹ کر ہسٹنک خود چینیج کی تھی۔ سب کچھ دھلا دھلا کر گل دان میں تازہ پھول منک رہے تھے اور ایک کٹ کا بھی اضافہ ہوا تھا۔ سائہ بیگم کا دل محبت سے گھل گیا۔ وہ لیٹ گئیں تو نریم نے ان کے پاس سے بھائی کو بھی لٹا دیا۔

"مما! اس کا نام کیا رکھیں؟"

"جو تمہیں پسند ہے رکھ دو کیونکہ تم آئی ہو گی۔"

"ہیں پھر آج سے اس کا نام علی ہے۔"

پہلے ہی سوچ رکھا تھا۔

"ہیں تمہک ہے۔ اس کا نام علی ہے۔"

باتیں کرتے دیکھ کر خدیجہ خوش ہو رہی تھیں۔

"اب تم خیر سے گھر آگئی ہو تو میں سوچ رہی تھی چھوٹا موٹا سائنکشن آرنج کر لوں کیونکہ سلیمان کے بہت سے جاننے والے ہیں گھر میں ہیں جو ولیمہ کھانے کی ضد کر رہے ہیں۔"

"ہاں کارڈ نے سخن سائہ کی طرف تھا۔"

"ہاں! اچھی بات ہے ضرور سائنکشن کریں۔ میں جی ہاں! میں نریم اپنے گھر جائے ہنسی خوشی۔" بھلا انہیں کیا اعتراض تھا۔

"اور ہاں سلیمان کہہ رہے تھے ہم ولیمہ لاہور میں لے کر آئیں گے انہیں بڑی تمنا ہے کہ سو کچھ دن گھر پر رہیں۔ اگر تیور بھائی یوں نہیں چھوڑ کر نہ جاتے تو ولیمہ کے دو دن بعد ہم نے لاہور لے جانا تھا۔"

نریم کو۔ "تیور صاحب کے ذکر پر سائہ کی آنکھیں جھپکیں تھیں تو خدیجہ بھی اداں ہو گئیں۔

نریم ادھر ہی آ رہی تھی۔ سائہ بیگم نے فوراً اپنے آنسو صاف کیے۔

"اب تم بھی چلنے کی تیاری کرو۔" خدیجہ نے ماحول طاری اب اسی کو بھگانا چاہا۔

"کہاں؟" اس نے سوالیہ نگاہوں سے خدیجہ کی طرف دیکھا۔

"لاہور۔" ان کے جواب پر وہ چپ سی ہو گئی۔

نریم ہم اپنے اسی گھر میں کریں گے تمہارے انکل کی خواہش ہے انہوں نے وضاحت کی۔

رات کو سلیمان خدیجہ کو لینے آیا۔ اس کی آمد پر ساجدہ اور اماں حاجہ نے کھانے پر خالصا اہتمام کر لیا۔

قد سائہ کے لیے ننھی نریم نے خون تائی۔

وہ کہیں نظر نہیں آ رہی تھی۔ وہاں اور خالہ کے پاس سے اٹھ کر باہر نکلا تو اماں حاجہ دکھائی دیں۔ سوپ کا باؤل لیے وہ سائہ کو دینے جا رہی تھیں۔

"اماں! آپ کی پھولی ملی کہاں ہیں؟"

"وہ اندر ہیں۔" اماں حاجہ نے اس کے پوچھنے پر کچن کی طرف اشارہ کیا۔

"اماں! اتنی جلدی سوپ دے بھی آئی ہیں۔ دیری نہ کرو۔ ملی تو نہیں رو رہا تھا۔"

وہ بائوٹی میں چمچ چلاتے ہوئے اسے اماں حاجہ کو کر بول۔ جب کچھ لمحے خاموشی طاری رہی اور اسے اپنے سوال کا کوئی جواب نہیں ملا تو وہ پٹی۔

سلیمان انداز سے پھیل کر کھڑا تھا۔ ایسے کہ جب

تک وہ آگے سے نہ ہٹتا نہ کوئی اندر آسکتا تھا نہ باہر جا سکتا تھا۔

"کب تک یہاں ہی کھانے پکانے کے ارادے ہیں۔ کسی اور کی بھی خبر ہے کہ نہیں۔" وہ قصداً ذرا گہری آواز میں بولا جس میں ہلکے سے غصے کی آمیزش محسوس کی جاسکتی تھی۔ جواباً وہ خاموش ہی رہی تو سلیمان آگے بڑھ آیا۔ "میں نے کچھ کہا ہے؟" اس کے انداز سے نریم پھر گھبرانے لگی۔ "کب تک چھپ کر بیٹھی رہو گی۔" وہ صاف صاف دھمکی دے رہا تھا۔

"آگے سے نہیں۔ علی رو رہا ہو گا۔" اسے یہاں سے بھاگنے کے علاوہ کوئی راستہ نظر نہیں آیا۔

"تو میں کیا کروں علی رو رہا ہے تو۔"

"مجھے اندر جانا ہے۔" اب تو وہ رو ہانسی ہی ہو گئی۔

"مجھے گھر لے کر جانا ہے۔" اس سے پہلے کہ وہ باہر نکلتی سلیمان نے اپنا بازو پھیلا دیا۔

ساجدہ کی قدموں کی آواز ادھر ہی آتی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ سنبھل گیا۔ نریم کا دل ابھی تک زور زور سے دھڑک رہا تھا۔

"خبر داد اب تم نے اور نریم کو تنگ کیا تو۔" سائہ بیگم نے رعب سے اسے دیکھا تھا۔

"میں نے وہی کیا جو مجھے کرنا چاہیے تھا۔ اصل میں وہ جس طرح آپ کے ساتھ بد تمیزی سے بول رہی تھی میں برداشت نہیں کر سکا۔ میں نے تو مہنوز سکھانے تھے اسے جو تیور انکل کی ڈنٹھ کی وجہ سے نہیں سکھا سکا۔"

"ہیں سلیمان بہت ہو گئی ہے۔ نریم بچی ہے میری۔ اب تم نے کوئی زیادتی کی تو میں معاف نہیں کروں گی۔ تیور کی جان بھی اس میں۔" سائہ یک بیک جذباتی ہو گئیں۔

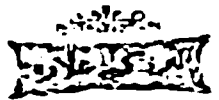
"خالہ! میں تو مذاق کر رہا تھا۔" ان کے بدلتے تاثرات دیکھ کر وہ سنجیدہ ہو گیا تو سائہ بھی مسکرا دیں۔

شا

جنوں کا اپنا مآب نام
لاہور

مئی 2009 کے شمارے کی ایک جھلک

- ☆ وراثت کا فنکارہ "ریاض ملک" سے ملاقات۔
- ☆ "بکھی عشق ہو تو پتا چلے" نازیہ نیا کا مکمل ناول۔
- ☆ "میرے ساتھ سے کون" حمین اختر کا سلسلے وار ناول۔
- ☆ "یہ جو میرا تمہارا رشتہ ہے" سعد سیال کا شیف کا مکمل ناول۔
- ☆ "محبت بھی مرنے نہیں" شازیہ فتنی کا مکمل ناول۔
- ☆ "عشق کے رنگ ہزار" حمیرا ارباب کا مکمل ناول۔
- ☆ "میرے چارہ گر میرے مہمان" حمین اختر کا سلسلے وار ناول۔
- ☆ "عجب سلسلے ہیں وقا کے" سعد سیال کا شیف کا سلسلے وار ناول۔
- ☆ ریاض علیہ لودھی، ساجدہ تاج، نورین حنیف، قمر العین رائے اور ہماراؤ کے سامنے،



یارے نی کی باتیں، انشاء، نامہ، انٹرویو، شوہر
کی دنیا کی دلچسپ معلومات اور حیدر سروس کے علاوہ حنا
کے سبھی مستقل سلسلے شامل ہیں



آج ہی اپنے قریبی بک اسٹال سے طلب کریں

رہا تھا۔

اس کا ہاتھ سلیمان کے لیوں پر دھرا تھا۔
"جب بھی دیکھا اسرار بھری گئی ہو۔ اب اس
ہفت یہاں ہو میرے پاس ملل طور پر بے بس میرے
قہقہے میں۔ چاہوں تو ایک ایک لمحے کا حساب لوں اور
چاہوں تو چھ روزوں سا تار عرصہ دور رہی ہو۔"
"تو کیا آپ بدلہ لیں گے مجھ سے۔" وہ تڑپ کر
نہیں کا نفل توڑنے پر مجبور ہوئی، جو اب "و جان لیوا انداز
میں مسکرایا۔

وہی جان دار اور مقابل کو بے بس کرنے والی
مسکراہٹ۔

"ہاں۔" اس کی شوخ نگاہیں نرم کے سراپے سے
بہرہ کر اپٹ رہی تھیں۔ وہ اس کے ارادے بھانپ گئی
تھی۔

"نہیں پانی پیاس لگ رہی ہے مجھے۔"
سینٹرل قبل پہ جگہ میں پانی پڑا تھا۔ وہ مڑا۔ نرم
کے لیے اتنی مہلت بہت تھی کہ وہ اپنی جگہ سے
اٹھی۔ سامنے ڈربنگ روم تھا۔

"پھر بے ایمانی۔" وہ سلیمان کی گرفت میں آچکی
تھی۔ وہ ٹائپ میں سارے فاصلے عبور کر گیا تھا۔
"بہت سی باتیں کہی نہ جائیں تو مفہوم گم ہو جاتا
ہے۔ مجھے ان کھوں کو قید کرنا ہے۔"

نرم کے حواس خطا تھے۔ اس جاؤ گرنے اسے
گھائل سا کر دیا تھا۔ ہر کنوں میں ارتعاش برپا جا رہا
تھا۔

"مجھے تمہاری خوشبو کو تمہاری ماسوں سے چرانا
پڑے۔" وہ بے بس سی اپنی دھڑکنیں شمار کرتی رہ گئی۔
وہ سلیمان نے نہ شکوہ کیا تھا نہ شکایت نہ گزرے
بانی کی غلطیوں کا حوالہ دیا تھا۔

اس کے دوستانہ انداز نے نرم کے سارے
غذائے کو دور کر دیا تھا۔

اس انوکھے فلاح نے اسے بہت پہلے ہی فتح کر لیا تھا
مگر اب اپنی بار کا اعتراف کرنے میں کیا حرج تھا۔

سکینڈ فلور۔ جہاں سلیمان لاہور آتا تو قیام کرتا
اسی کمرے کو ڈیوٹریٹ کرایا گیا تھا۔

اب آؤ ہم لوگ
پھر سے سیکھیں اقرار کے طریقے

تمام
دور جنوں کی رسمیں
تمام اظہار کے سیتے
تم اپنی آنکھوں سے
میری آنکھوں کے جام بھر دو
اگر بالوں کے کنارے شکستہ ہوں تو حرج کیا ہے
سندو فاکس نمی تو ہوگی

تم اپنے ہاتھوں سے میرے بالوں کی لٹ سننا
سیاہی شب کی دل فریبی نہیں ملے گی تو خوش رہو

کھیں کہیں چاندنی تو ہوگی
تم اپنے ناموں کی لاکھ مہوں کو
میرے چہرے پہ ثبت کر دو!

یہ عمدہ نامہ ورق ورق ہو تو سوچنا کیا!
"یہاں سینے میں جو دل دھڑکتا ہے کیا اب
ہی ہے پہلے جیسا۔" وہ کتنے مزے سے نرم کی
پلکوں کا رقص دیکھ رہا تھا۔

خوشبوؤں میں بسا تو مانہ نکھر نکھر اس سلیمان
کے سامنے موجود تھا۔

"مجھے لگتا ہے پہلے جیسا نہیں رہا ہے۔"
سلیمان نے اپنے مضبوط ہاتھ میں جکڑ لیا تھا۔
نازک سا رزنا ہاتھ پیسنے میں بھیگا بیٹھا تھا۔
"ملے ہو مگر اجنبی بن رہے ہو قیامت۔"

پھر اور کیا ہے۔ "وہ دلکش انداز میں مسکرایا اور
کھائیوں میں بھی چوڑیوں کو دیکھنے لگا۔ جلتے
لکھ سے نرم نے کیا پڑھا اور کیا سمجھا تھا کہ پانی
چھپے کر لیا۔

"اتنی بزدلی۔ جب ایک چھ فٹ کے پولیس
کو کڈھ کر لیا تو اس وقت یہ دل اتنا تیز تیز

"ویسے آپ کی بیٹی نے جس طرح کڈھ کر
کے بعد میری آنکھوں پہ پٹی باندھی تھی وہ آپ دیکھ
لیتیں تو عشق کرنا چاہیں۔" سلیمان ابھی تک ان
ہاتھوں کی لرزش نہیں بھولا تھا۔

"محترمہ نے ایک پولیس آفیسر کے ساتھ ہاتھ کیا۔
وہ آپ کو نظر نہیں آتا۔"

"ماہ نور اور ثانیہ سب تمہیں جتا تو چکی ہیں۔ بس
ہو گیا اب بھول جاؤ اور نرم کو مزید تنگ نہ کرو۔"
"اوکے نہیں کرتا۔ اگر مجھے ذرا سا بھی پھین ہو تاکہ
وہ ملائکہ اور باقی دو لڑکوں کے گروہ کے ساتھ ملوث رہی
ہے تو پھر میری ڈکشنری میں معافی کا لفظ نہیں تھا۔ میں
نے پوری تحقیق کروائی ہے۔"

سلیمان کے چہرے پہ اتنی سختی اور درشتی تھی کہ
سارے بیگم بھی ڈر گئیں۔ انہوں نے اس کا ہاتھ دبا کر
پر سکون رہنے کی خاموش سی تہنیت کی۔

سلیمان کی کزنز اور رشتہ دار عورتیں نرم کو گھیرے
بیٹھی تھیں۔ ریان الگ شور مچا رہا تھا کہ مجھے بھی جگہ دو
بھابھی کے پاس بیٹھنے کی۔ خاص خاص مہمانوں کو
بلانے کے باوجود پھر بھی اچھے خاصے لوگ جمع ہو گئے
تھے سلیمان کے ولیمہ کی تقریب سب جی گئی تھی۔ خدیجہ
اور عثمان بہت مسرور تھے۔

"سارے بیگم بھلی کو گود میں لیے نرم کے پاس ہی
بیٹھی تھیں۔ گاہے بگاہے نرم جھک کر علی کا گل جوم
لیتی۔

"ایٹالیٹ ولیمہ پہلی بار کھایا ہے۔" یہ سلیمان کی
کزن تھی۔

"مگر یہ بھی دیکھیں دور آید و رست آید۔ ولیمہ لیٹ
نہ ہوتا تو میرا سالہ کیسے شرکت کرتا۔" سلیمان برجستہ
بولتا تو زور کا تقہ پڑا۔

مہمانوں کے جلنے کے بعد لڑکیاں اسے کمرے
میں لائیں۔ خدیجہ نے پورے اہتمام اور چاؤ سے نرم
کو تیار کرایا تھا۔ بار سنگھار زیورات اور لباس سے وہ
بارت کی دلہن کی مانند ہی نظر آ رہی تھی۔